جولائی ۲۰۰۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- پاکستان کیوں بنا ـــــ کیسے بنا؟
- پاکستان کیوں ٹوٹا ـــــ کیسے ٹوٹا؟
- اب ٹوٹا تو . . . . . .

پاکستان کی تاریخ کا حقیقت پسندانہ تجزیہ

اندھیروں میں اُمید کی ایک کرن

لفظ لفظ میں ـــــ وطن کی محبت

سطر سطر میں ـــــ اِیمان کی چاشنی

عمل کا پیغام . . . . . .

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تالیف

"استحکامِ پاکستان"

سفید کاغذ، عمدہ طباعت، دیدہ زیب سرورق، صفحات 175

قیمت -/60 روپے

اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے

شائع کردہ:

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور (فون: 03-5869501)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد : ۴۹

شمارہ : ۷

ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

جولائی ۲۰۰۰ء

فی شمارہ ۱۰/- روپے

سالانہ زر تعاون ۱۰۰/- روپے

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات — 17 ڈالر (600 روپے)
  بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 فون: 03-02-5869501

ٹیلکس: 5834000 ای میل: anjuman@brain.net.pk.

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور

فون: 6316638-6366638 ٹیلکس: 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال _____ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ توحیدِ عملی [۲] _____ ۷

اخلاص فی العبادۃ اور اقامت دین کی اہمیت و فرضیت

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ دعوت و تحریک _____ ۳۷

حزب اللہ : بیسویں صدی کی پہلی اسلامی تحریک

ڈاکٹر عبید اللہ فلاحی

☆ کتاب نامہ _____ ۶۳

قیام اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر [۲]

ڈاکٹر سفر الحوالی

☆ پیش رفت _____ ۷۷

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کے عہدیداروں کا انتخاب

مرتب : ڈاکٹر عبد الخالق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

وفاقی بجٹ کے اعلان کے ساتھ ہی اندیشوں کے عین مطابق' اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافے کا آغاز ہو گیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق بجٹ کے اعلان کے بعد ۲۷ جون تک گرانی میں مجموعی طور پر ۱۵ فیصد اضافہ ہو چکا ہے۔ ایک جانب حکومتی ترجمان زبان و بیان کی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر عوام کو اس امر کی یقین دہانی کروانے میں مصروف ہیں کہ کوئی منی بجٹ نہیں آئے گا اور دوسری جانب بعض حکومتی اداروں کے ترجمان سوئی گیس اور بجلی کے نرخ بڑھانے کا عندیہ دے رہے ہیں۔ اس سب پر مستزاد ادویات کی قیمتوں میں یکلخت دس فیصد اضافے کا اعلان ہے جو عوام کی کمر توڑ دینے کے مترادف ہے۔ دوا ساز ملٹی نیشنل کمپنیوں نے پاکستان میں جو اندھیر نگری مچا رکھی ہے اس سے کون واقف نہیں۔ ہمارے ہمسایہ ممالک بھارت کے مقابلے میں پاکستان میں ادویات کی قیمت پہلے ہی چھ سات گنا زیادہ بتائی جاتی ہے۔ وہی ملٹی نیشنل کمپنیاں جن کے دباؤ کی تاب نہ لا کر ہماری حکومت ادویات کی قیمتوں میں اضافے پر مجبور ہوئی' بھارت اور بنگلہ دیش میں انتہائی ارزاں نرخوں پر ادویات مہیا کرتی ہیں۔ غریب طبقات تو ایک طرف رہے' ہمارا متوسط طبقہ بھی ادویات کی ہوش ربا گرانی کے باعث مناسب علاج معالجے کی سکت نہیں رکھتا۔

صاف نظر آ رہا ہے کہ ہماری حکومت اقتصادی بدحالی کے باعث شدید دباؤ میں ہے اور اپنے تئیں "باغباں بھی خوش رہے' راضی رہے صیاد بھی" کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ وہ پاکستان کو خوشحالی اور ترقی کی راہ پر گامزن بھی دیکھنا چاہتی ہے اور ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے مطالبات کو پورے کرنے کی خاطر عوام کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہونے پر بھی مجبور ہے۔ آخر ہمارے حکمران طبقات اس مومنانہ شعور سے کب بہرہ مند ہوں گے کہ ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہ بات خوش آئند ہے کہ اس ایک سجدے کی طرف دھیان دینے کا عندیہ بھی حکومت کے بعض ترجمانوں کی جانب سے سامنے آیا ہے۔ آئندہ جون تک سود کے خاتمے کا اعلان اگر محض ٹال مٹول اور وقت گزاری کے خیال سے نہیں دیا گیا اور حکومت فی الواقع اس معاملے میں سنجیدہ ہے تو یقیناً لائق تحسین اور قابل صد مبارک باد ہے۔ اس ایک راہ کے سوا ہماری معاشی حالت کے سدھرنے کا دوسرا کوئی راستہ نہیں۔

☆ ☆ ☆

ملکی اور بین الاقوامی صورتحال پر امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی رائے سے آگاہی کی خاطر امیر تنظیم کے خطباتِ جمعہ کے پریس ریلیز ذیل میں ہدیہ قارئین کئے جا رہے ہیں :

۲/جون کا خطاب جمعہ

وزارت داخلہ کا اپنے اخباری اشتہار میں یہ دعویٰ کرنا کہ پاکستان کی تقدیر معیشت کی بہتری سے وابستہ ہے' حکومت کی ملحدانہ سوچ اور قیام پاکستان کے پس منظر سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ حکمرانوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ پاکستان کی تقدیر اسلام سے وابستہ ہے اور اس کے تمام مسائل کا حل اور مشکلات کا خاتمہ صرف اور صرف اسلام کے حقیقی نفاذ ہی سے ہو گا۔ پاکستان کی معیشت کی بحالی ناممکن ہے جب تک کہ سود سے چھٹکارا حاصل نہ کیا جائے۔ آج پوری دنیا میں یو این او' ورلڈ بنک' آئی ایم ایف اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے ذریعے ابلیسی نظام رائج کرنے کی سازش کی جا رہی ہے اور ہمارے موجودہ حکمران بھی اسی نظام سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں' حالانکہ جب تک ہم اس ابلیسی نظام کے خلاف علم بغاوت بلند نہیں کریں گے معاملات ہرگز درست نہیں ہو سکتے۔

اس عالمی نظام سے ناطہ توڑنے کا اس سے بہتر وقت کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ حال ہی میں ہماری سپریم کورٹ نے سود کے خلاف فیصلہ دیا ہے اور ہم اس فیصلے کی بنیاد پر عالمی سودی نظام سے قطع تعلقی کا اعلان کر سکتے ہیں۔ لیکن حکومت اس معاملے میں دورخی پالیسی پر عمل پیرا ہے حالانکہ سود کے خلاف بھی اسی سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا ہے جس نے ۱۲

اکتوبر کے اقدام کو وقت کی ضرورت قرار دیتے ہوئے موجودہ فوجی حکومت کو تین سال کی مہلت دی ہے۔ مگر ایک فیصلے پر تو بغلیں بجائی جارہی ہیں جب کہ دوسرے فیصلے پر عمل درآمد کا دور دور تک کوئی ارادہ نظر نہیں آتا۔

موجودہ تاجر حکومت کشمکش کے ضمن میں یہ بات خوش آئند ہے کہ حکومت کا تاجر برادری کے نمائندوں سے گفت و شنید کا عمل جاری ہے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس کشمکش کے نتیجے میں تاحال کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ یہ بات بھی لائق صد شکر ہے کہ تاجروں کی اس جدوجہد میں سیاسی اور مذہبی عناصر شامل نہیں ہوئے کیونکہ اگر یہ اتحاد ثلاثہ وجود میں آگیا تو ان کے اتحاد سے جنم لینے والی کشمکش سے ملک شدید نوعیت کے بحران سے دوچار ہو سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆

۹/جون کا خطاب جمعہ

حکومت پاکستان کی جانب سے یو این او کے "بیجنگ پلس فائیو" نامی خصوصی اجلاس میں دستخط نہ کرنے کی یقین دہانی لائق ستائش ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ایلیٹ طبقات جن میں حکمران طبقہ بھی شامل ہے' کا تصور اسلام چونکہ مغرب گزیدہ ہے اس لئے اس اجلاس کے اختتام پر جو اعلامیہ جاری ہو گا ہمیں اس کا باریک بینی سے جائزہ لینا ہو گا کیونکہ ہو سکتا ہے ہمارے حکمران جس چیز کو اسلام سے ہم آہنگ سمجھ کر توثیق کر آئیں وہ فی الاصل اسلام سے متصادم ہو۔ ہمیں بہرصورت عصمت و عفت اور خاندانی نظام کو تہہ وبالا کرنے کے اس شیطانی منصوبے کے بارے میں جاگتے رہنا ہو گا جو یہودیوں کے ذہن کی پیداوار ہے۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ پاکستان اور بعض اسلامی ممالک کی طرف سے مزاحمت کے پیش نظر یہودی اپنے اس ابلیسی پروگرام کو فی الحال موخر کر کے مسلمان ممالک کو مختلف ہتھکنڈوں سے اس کے نفاذ پر مجبور کرنے کا کوئی طویل المعیاد منصوبہ تشکیل دیں۔ یہودی جو واقعتاً اس زمین پر شیطان کے ایجنٹ کا روپ دھار چکے ہیں' انسان کو شرف انسانیت سے محروم کر کے حیوان بنا دینا چاہتے ہیں اور جس طرح ابلیس

نے آدم و حوا کو بہکا کر بے لباس کر دیا تھا' یہ بھی انسانیت کو شرم و حیا اور غیرت کے جذبات سے عاری کر دینا چاہتے ہیں۔ ان کا مشن یہ ہے کہ سیکولرازم' سود اور عریانی و فحاشی کے ذریعے انسانوں کا رشتہ اللہ اور اس کے دین سے کاٹ دیں اور انہیں انسانیت سے بیگانہ کر کے حیوان محض بنا دیں اور انہیں اپنی معاشی و ثقافتی غلامی کے شکنجہ میں کس لیں۔

جس طرح ابلیس جو کبھی اپنا مقام و مرتبے کے اعتبار سے فرشتوں کی صف میں شامل تھا' تکبر و حسد کے باعث شیطان اعظم بنا' اسی طرح یہود بھی تکبر و حسد کے باعث اس زمین پر شیطان کے سب سے بڑے ایجنٹ بنے بیٹھے ہیں حالانکہ یہ قوم وہ ہے جسے اللہ نے کتاب اور شریعت عطا کی تھی۔

حق و باطل کی کشمکش جو ابتدائے آفرینش سے جاری ہے' اب آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ لیکن خیر و شر کی یہ جنگ بالآخر حق کی فتح پر منتج ہو گی۔ آج ہم میں سے ہر شخص کی خواہش ہے کہ اسلام نافذ ہو جائے اور ہمیں کوئی ایسا رہنما مل جائے جو ہمارے تمام مسائل حل کر دے لیکن ہم خود کو بدلنے کے لئے تیار نہیں اور جب تک ہم اپنے وجود اور اپنے گھروں میں دین نافذ نہیں کریں گے' ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

طالبان کے نفاذ اسلام کی پاداش میں افغانستان پر عالمی پابندیوں کے بعد وہاں کے عوام بہت کسمپرسی سے زندگی گزار رہے ہیں لہٰذا ہمیں طالبان افغانستان کی ہر طرح سے مدد کرنی چاہئے اگر ہم جان سے ان کی مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم مال سے ان کی مدد کرنا ہماری دینی ذمہ داری ہے اور ہمیں اس میں بڑھ چڑھ کر اپنا مالی تعاون پیش کرنا چاہئے۔

بحمد اللہ' امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس و تقاریر پر مشتمل

تیسری CD بعنوان **اسلام اور خواتین** تیار کر لی گئی ہے

جس میں اہم معاشرتی موضوعات کے بارے میں قرآن و سنت کی راہنمائی پر مشتمل 15 تقاریر شامل ہیں

تیار کردہ : شعبہ سمع و بصر' مرکزی انجمن خدام القرآن' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

توحیدِ عملی

اخلاص فی العبادۃ اور اقامت دین کی اہمیت و فرضیت

سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن

(دوسری قسط)

توحید فی الدعاء

انفرادی سطح پر توحید فی العبادۃ کے ساتھ ہی توحید فی الدعاء کا معاملہ ہے۔ یہ دونوں امور باہم گتھے ہوئے ہیں۔ ہم نبی اکرم ﷺ کی یہ احادیث بھی پڑھ چکے ہیں کہ : ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ)) اور ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَۃُ)) ـــــ توحید فی العبادۃ کے ضمن میں سورۃ الزمر کے تین مقامات اور ان کی امکانی حد تک تشریح و توضیح کے بعد سورۃ المؤمن میں دو مقامات پر توحید فی الدعاء کا بڑے شد و مد کے ساتھ ذکر ہے۔

دُعا در حقیقت انفرادی سطح کی عبادت کا ہی ایک باطنی پہلو ہے۔ جو آپ کا معبود ہے' جس کے بارے میں آپ کا ایمان اور یقین ہے کہ وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے ـــــ جس کے متعلق آپ کو یقین ہے کہ وہی عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے' وہی اَلسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ہے' وہ ہر آن آپ کے ساتھ ہے ﴿ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ ظاہر بات ہے کہ ایسی ہستی کو آپ پکاریں گے' اس سے استعانت و استمداد کریں گے ـــــ اس سے دعائیں کریں گے' اس سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے عرض و معروض کریں

گے۔ پس دُعا عبادت کا ایک باطنی رخ ہے۔ قرآن میں چار مقامات ہیں جہاں دُعا کے ساتھ ﴿ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ کے الفاظ آئے ہیں۔ ایک سورۃ العنکبوت آیت ۶۵ میں : ﴿ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ "جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں" ـــــ دوسرے سورۂ لقمان کی آیت ۳۲ میں : ﴿ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ ﴾ "اور جب (سمندر میں) ایک موج ان لوگوں پر سائبان کی طرح چھا جاتی ہے تو یہ اللہ ہی کو پکارتے ہیں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے"۔ ان دو آیتوں میں سمندری سفر میں مشرکین کی اللہ سے مخلصانہ دعاء کا تذکرہ ہے۔ اس موقع پر انہیں نہ لات یاد آتا ہے نہ منات نہ ہبل۔ کسی دیوی اور دیوتا کے بجائے وہ خالص اللہ ہی کو مدد اور دستگیری کے لئے پکارتے ہیں[1]۔ لیکن سورۃ المؤمن کی آیت نمبر ۱۴ اور نمبر ۶۵ جس کا بیان آگے آئے گا' وہ مقام ہے جہاں انشائیہ انداز اور امر کے صیغہ میں دُعا کے ساتھ "مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" کے الفاظ آئے ہیں ـــــ اللہ کو پکارو' لیکن کس طرح؟ کس شان سے؟ کس کیفیت میں؟ اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ یہ نہیں کہ کچھ اطاعت اللہ کی بھی ہو رہی ہے اور کچھ دوسروں کی بھی' لیکن پکار رہے ہیں اللہ کو۔ ایسی دُعا قبول ہونے والی نہیں ہے۔ اب وہ آیت دیکھئے۔ بڑی پیاری آیت ہے۔ فرمایا : ﴿ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ "پس اللہ ہی کو پکارو' اپنی اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے' خواہ یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے"۔ ظاہر بات ہے کہ اگر پورا نظام شرک پر قائم ہو اور اس میں آپ توحید کا نظام برپا کرنا چاہیں گے تو کافروں اور مشرکوں کو سخت ناگوار ہو گا۔ وہ سب روڑے اٹکائیں گے اور کسی نہ کسی بہانے آپ سے تصادم مول لینے کی کوشش کریں گے۔

یہاں دعاء کے لئے بھی مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کی شرط عائد کر دی گئی ہے' جیسے عبادت میں عائد کی گئی تھی۔ خلوص و اخلاص صرف اللہ ہی کے لئے نہ ہو تو اس سے دُعا کرنا' اسے پکارنا بے معنی ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث ملاحظہ کیجئے جس سے دعاء کی قبولیت کی شرائط واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور

امام مسلمؒ نے اس کو اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ حدیث کا دُعا سے متعلقہ حصّہ یہ ہے کہ :

((ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَآءِ يَارَبِّ يَارَبِّ، وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِّيَ بِالْحَرَامِ، فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟))

"پھر آنحضور ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ وہ بہت دُور دراز کا سفر کرتا ہے، اس کے بال اور کپڑے غبار آلود ہیں، اس پر بڑی بوسیدگی، بے چارگی اور درماندگی طاری ہے۔ وہ شخص اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا رہا ہے کہ اے رب! اے رب!..."

دیکھئے حالت سفر میں دعاء کی مقبولیت کی آنحضور ﷺ کی طرف سے خبر دی گئی ہے۔ مسافرت چونکہ مسکنت کی حالت ہوتی ہے، انسان بے یار و مددگار ہوتا ہے، اجنبیوں میں ہوتا ہے۔ تو واقعہ یہ ہے کہ سفر کی حالت میں دُعا دل سے نکلتی ہے اور جو دُعا دل سے نکلے وہ اثر رکھتی ہے اور قبول ہوتی ہے۔ اور عام طور پر گمان یہی ہے کہ یہاں نبی اکرم ﷺ کسی شخص کے سفرِ حج کا ذکر فرما رہے ہیں۔ حج کے لئے دور دراز سے اور مختلف مقامات سے لوگ آتے ہیں، تھکے ماندے۔ پھر مناسک حج بڑے کٹھن اور مشقت طلب ہوتے ہیں۔ منیٰ کا سفر ہے، وقوفِ عرفہ ہے، مزدلفہ میں پڑاؤ ہے، منیٰ واپسی ہے، رمی جمار ہے، نحر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دسویں تاریخ کا دن بڑا سخت اور مشقت سے پُر ہوتا ہے، ہر شخص تکان سے اس روز چور چور ہوتا ہے۔ ان دشوار اور دقت طلب مواقع کا تصور کیجئے اور دیکھئے کہ ان حالات میں ایک شخص اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف دُعا کے لئے اٹھاتا ہے اور کہتا ہے یارب! یارب! ـــــ جبل رحمت کا مقام سمجھ لیجئے، یا وقوفِ عرفہ کا نقشہ کھینچ لیجئے یا مقامِ ابراہیم کو خیال کر لیجئے یا ملتزم کا منظر تصور کی نگاہوں میں لے آیئے، جہاں اس سے چمٹے ہوئے لوگ گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہیں ـــــ لیکن فانّٰی یُستجاب لذٰلک ایسے شخص کی دُعا قبول ہو تو کیسے ہو؟ و مطعمہ حرامٌ و ملبسہ حرامٌ و غذی بالحرام جبکہ اس کا کھایا ہوا بھی حرام کا ہے، اس کا پہنا ہوا بھی حرام کا ہے اور جس غذا سے اس کا جسم پروان چڑھا ہے وہ بھی حرام کا ہے ـــــ معلوم ہوا کہ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ والا معاملہ تو

ہے ہی نہیں۔ کمائی میں تو اللہ کا حکم مانتا نہیں' معاش میں تو حرام میں منہ مار رہا ہے اور یہاں آرہا ہے دعائیں کرنے کے لئے۔ کیا منہ ہے اس کا کہ وہ اللہ سے کلام کرے!

یہی بات ہے جو سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ ہم تو تمہاری دعائیں سننے اور قبول کرنے کے لئے تیار ہیں' لیکن ہمارے بندو! یہ بھی تو دیکھو کہ تم ہمارے احکام کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہو!! فرمایا :

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝ ﴾

(البقرۃ : ۱۸۶)

"(اے نبیؐ!) جب میرے بندے آپؐ سے میرے بارے میں پوچھیں تو ان کو بتا دیجئے کہ میں قریب ہی ہوں[۲]۔ میں تو ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں اور قبول کرتا ہوں' وہ جہاں اور جب مجھے پکارے' پس انہیں چاہئے کہ میری باتوں کو قبول کریں (میرے احکام پر عمل کریں' میری پکار پر لبیک کہیں) اور مجھ پر ایمان رکھیں' تاکہ وہ راہِ راست پالیں (کامیابی سے ہم کنار ہو جائیں)"۔

معلوم ہوا کہ یہ یک طرفہ معاملہ (One Way Traffic) نہیں ہے' یہ دو طرفہ معاملہ ہے۔ تم اللہ کا کہنا مانو گے' اس کے احکام پر چلو گے' اس کے مطیع بن کر رہو گے' اس پر ایمان رکھو گے تو اللہ تمہاری دعائیں قبول کرے گا۔ تم اللہ سے محبت کرو گے تو اللہ تم سے محبت کرے گا ﴿ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ ﴾ یہ شان ہو گی اہل ایمان کی ـــــ تم اللہ کو یاد کرو' اللہ تمہیں یاد کرے گا ﴿ فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ ﴾

حدیث میں اس کی وضاحت آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ اگر مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں' اور اگر میرا بندہ کسی محفل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے کہیں اعلیٰ محفل میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ محفل ملائکہ مقربین ہی کی ہو سکتی ہے۔ اس محفل میں اللہ تعالیٰ اس بندے کا ذکر فرماتا ہے جو اس دنیا میں کسی محفل میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ آگے حدیث میں آتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : "اگر بندہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں' بندہ اگر

بالشت بھر میرے قریب ہوتا ہے تو میں ہاتھ بھر اس کے قریب ہو جاتا ہوں"۔

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا : ﴿ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ ﴾ "تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا"۔ اللہ کی مدد بندے کی جانب سے کیا ہے؟ اس کے دین کے غلبے اور اقامت کے لئے مال اور جان کھپا دینا۔ جیسا کہ سورۃ الصف میں ارشاد فرمایا : ﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ﴾ "تم ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اس کی راہ میں اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ"۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے ساتھ معاملہ یک طرفہ کی بجائے دو طرفہ ہو گا۔

اخلاص فی الدعاء

تو یہاں سورۃ المؤمن میں فرمایا : ﴿ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ "پس پکارو اللہ کو' دین یعنی اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے' چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو"۔ اسی سورۃ المؤمن کی آیت نمبر ۶۰ بھی اس موضوع پر بہت اہم ہے۔ فرمایا :

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ ﴾

"اور تمہارے رب نے یہ فرمایا ہے کہ مجھے پکارو! میں تمہاری پکار سنوں گا' (تمہاری دعائیں قبول کروں گا) حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ بربنائے تکبر اور گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے اعراض کرتے ہیں (منہ موڑتے ہیں) وہ جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر"۔

اس آیت سے استدلال کیا جائے گا کہ عبادت اور دعا ایک ہی ہے۔ ممکن ہے کہ اسی آیت کی تشریح و تفسیر میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہو کہ ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) اور ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) ـــــ غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ کے پہلے حصہ میں دعا کا اور دوسرے حصہ میں عبادت کا ذکر آیا ہے تو آپ خود بھی کسی تامل کے بغیر اس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ دعا اور عبادت ایک ہی عمل کے دو رخ ہیں' اس میں کسی اشتباہ کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔

آگے اس سورۂ مبارکہ کی آیت نمبر۶۵ ہے جس میں یہ بات پھر آئی۔ فرمایا :

﴿ هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ ﴾

"وہ (اللہ) الحی ہے' ہمیشہ ہمیش زندہ رہنے والا ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس اسی کو پکارو دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ کل شکر و سپاس اور تعریف و ثناء اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے"۔

دیکھئے یہاں اس آیت میں توحید کے ذکر سے آغاز ہوا اور توحید کے بیان پر ہی اس آیت کا اختتام ہوا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ شہادتین کا پہلا جزو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کلمۂ توحید ہے۔ اسی طرح جان لیجئے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بھی کلمۂ توحید ہی ہے جو نہ صرف سورۃ الفاتحہ کی (جس کو اُم القرآن اور اَساس القرآن کے نام بھی دیئے گئے ہیں) پہلی آیت ہے بلکہ قرآن مجید کی بھی پہلی آیت ہے۔

اسی سورۂ مبارکہ کی آیت نمبر۶۶ میں بھی عبادت کے بدل کے طور پر دعا ہی کا ذکر آیا ہے۔ فرمایا :

﴿ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ ﴾

"اے نبیؐ! ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ مجھے تو ان ہستیوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو (میں یہ کام کیسے کر سکتا ہوں) جب کہ میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے بینات (کھلی کھلی نشانیاں) آ چکی ہیں۔ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں ربّ العالمین کے آگے سر تسلیم خم کر دوں اور اس کا فرماں بردار و مطیع بندہ بن کر رہوں"۔ (۳)

آپ نے دیکھا کہ سورۃ الزمر میں عبادت کا کس قدر تاکید اور شد و مد کے ساتھ بیان ہے' اطاعت کو اللہ ہی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ اور اگلی سورت سورۃ المؤمن میں دُعا کا ذکر آ گیا' لیکن دُعا بھی اللہ ہی کے لئے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ اس طرح انفرادی سطح کے خارجی اور باطنی دونوں پہلوؤں کا احاطہ ہو گیا۔

دعوتِ اِلی اللہ : دعوتِ توحید

انفرادی توحید جب فرد سے آگے بڑھے گی تو یہ کام توحید کی دعوت کی شکل اختیار کرے گا۔ یعنی لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف بلانا اور پکارنا ـــــ چنانچہ اسی سورۃ المؤمن میں اس ضمن میں مؤمن آلِ فرعون کا ایک قول نقل ہوا ہے۔ ہوا یہ تھا کہ آلِ فرعون میں سے ایک بڑی بااثر شخصیت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھی' جو بڑے پائے کے درباری بھی تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا تھا' تا آنکہ جب وہ مرحلہ آیا کہ فرعون نے کہا کہ اب میں موسیٰ کو قتل کر کے رہوں گا۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ میرے درباریوں میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ حامی (Supporters) موجود ہیں۔ اگر اسے یہ اندازہ نہ ہوتا تو اسے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی بات رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنے دربار میں تجویز پیش کرتا ہے کہ ﴿ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی ... ﴾ "مجھے چھوڑو! میں موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیے دیتا ہوں"۔ حالانکہ خدائی کا دعوے دار ہے' دنیا میں بادشاہوں کا یہ حال ہوتا ہے۔ اگر اس کے منصب دار اس کا ساتھ نہ دیں' اس کے پنج ہزاری' بیس ہزاری' تیس ہزاری اس کی پشت پر نہ ہوں' اس کی فوج کے بڑے بڑے جرنیل اور سپہ سالار اور دوسرے بااثر لوگ اس کے ساتھ نہ ہوں تو اکیلے بادشاہ سلامت کیا کریں گے! یہی وجہ ہے کہ جب فرعون کو اندازہ ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا اثر میرے چند درباریوں پر بھی ہو چکا ہے تو اس نے قدم اٹھانے سے پہلے ضروری سمجھا کہ اپنے درباریوں سے استصواب کر لے اور ان کی رائے اور تائید حاصل کر لے۔ اسی لئے اس نے دربار میں کہا : ﴿ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی ﴾ "اب مجھے اجازت دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں"۔

مؤمن آلِ فرعون کی تقریر

اس موقع پر وہ مؤمن آلِ فرعون کھڑے ہو گئے ـــــ اس سورت کا نام ہی سورۃ "المؤمن" ہے۔ اس لئے کہ ان مؤمن آلِ فرعون کی تقریر اس سورت میں بڑی تفصیل سے آئی ہے ـــــ پورے قرآن مجید میں کسی نبی یا رسول کی اتنی طویل تقریر نقل نہیں

ہوئی ہے جتنی ان مؤمن آلِ فرعون کی ـــــ مؤمن آلِ فرعون اس موقع پر کھڑے ہو گئے' اس لئے کہ یہ بڑا نازک مرحلہ تھا۔

انہوں نے نہایت مؤثر تقریر کی جو قرآن میں نقل ہوئی ہے' جس کے نتیجہ میں فرعون کو' جو خدائی کا دعوے دار اور مدعی تھا' اپنا Resolution واپس لینا پڑا ـــــ ان کی تقریر کا پورے دربار پر اتنا اثر ہوا کہ پھر فرعون کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ ڈالے۔ اب آیئے مؤمن آلِ فرعون کے اس قول کی جانب جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔

مؤمن آلِ فرعون کی دعوتِ توحید

اس تقریر میں وہ مؤمن آلِ فرعون کہتے ہیں : ﴿ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝ ﴾ اے میری قوم کے لوگو! کیا معاملہ ہے' غور کرو' میں تمہیں نجات کی دعوت دے رہا ہوں' میں تمہیں اس راستہ کی طرف پکار رہا ہوں جو فوز و فلاح اور رشد و کامرانی کی طرف لے جانے والا ہے اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو۔ ﴿ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝ ﴾ تم تو مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں جس کے لئے کوئی علم اور کوئی سند یا دلیل میرے پاس نہیں ہے۔ اور میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں اس ہستی کی طرف جو العزیز ہے الغفار ہے۔ ہر نوع اور ہر قسم کے اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں اور وہ بہت معاف فرمانے والا ہے۔

دعوتوں کا فرق

مؤمن آلِ فرعون کے ان اقوال میں یہ بات بھی واضح طور پر آگئی ہے کہ دنیا میں دونوں دعوتیں بیک وقت موجود رہتی اور چلتی ہیں۔ توحید اور ایمان کی دعوت بھی اور کفر و شرک کی دعوت بھی ـــــ قیامت تک یہ دعوتیں چلیں گی۔ جیسے علامہ اقبال نے اس شعر میں کہا ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!!

داعیانِ حق بھی رہیں گے اور داعیانِ باطل بھی رہیں گے' اور ان میں سے بھی رہیں گے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور کہلواتے ہیں۔ کیا جلال الدین اکبر اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتا تھا؟ کیا اِس دور میں بھی کچھ ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جو مسلمانوں جیسے نام رکھ کر اور خود کو مسلمان کہلا کر الحاد' زندقہ' بے حجابی' بے پردگی' اباحیت اور نہ معلوم کس کس ضلالت کی طرف دعوت دینے میں نہایت منظم طریق اور بہترین تکنیک سے مصروف ہیں! ایسے لوگ موجود ہیں اور یقیناً موجود ہیں۔ ان کی اکثریت ذرائع ابلاغ اور بڑے بڑے کلیدی مناصب پر فائز ہے اور وہ ہمارے معاشرے میں اسلامی فکر اور اسلامی اقدار میں سرنگیں لگا رہے ہیں اور اسلام کی جڑیں کھود رہے ہیں۔ ہمارے اسی معاشرے میں حدود اللہ کا تمسخر و استہزاء اور اس سے بغاوت کرنے والے موجود ہیں اور اسی کی دعوت دینے اور ترویج میں لگے ہوئے ہیں' اسی کام میں وہ اپنی بہترین صلاحیتیں اور توانائیاں لگا رہے ہیں۔

لہٰذا دنیا میں دعوتیں ہمیشہ دونوں موجود رہی ہیں ـــــ ایک ہے توحید کی دعوت اور ایک ہے کفر کی دعوت۔ ایک دعوت ہے اسلام کی' ایک ہے شرک اور الحاد کی ـــــ اور ہمارے معاشرے میں بھی بالفعل و بالقوۃ یہ مختلف دعوتیں موجود ہیں' بلکہ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ باطل کی دعوت بہت منظم اور ہمہ گیر ہے۔ اس کے داعیان بڑے عیار اور چالاک ہیں' پھر ذرائع ابلاغ پر ان کی گرفت بہت مضبوط ہے جس کے ذریعے وہ معاشرے میں گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ وہ ہماری ان کمزوریوں سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں جو ایک طرف ﴿ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○ ﴾ کے ذیل میں آتی ہیں' دوسری طرف ان کا سبب ڈیڑھ دو صدیوں تک انگریزوں کا سیاسی استیلاء ہے جس کے باعث سیاسی غلبہ ختم ہو جانے کے باوجود بھی ہماری ذہنی مرعوبیت اور غلامی میں کمی ہونے کے بجائے روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ دراصل ہمارا نصاب اور نظامِ تعلیم انہی فکری اساسات پر مبنی ہے جو ملحدانہ اور مادہ پرستانہ ذہنیت وجود میں لاتی ہیں' ان کی نشوونما کرتی ہیں اور مسلمان نما ملحدوں کی معاشرے میں کثرت کا باعث بنتی ہیں۔

ایک مؤحد کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے؟

سورۃ حم السجدۃ کی آیت نمبر ۳۳ بڑی پیاری اور مہتم بالشان آیت ہے' فرمایا :

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾

"اس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہو گی جو اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہو اور اس کا عمل بھی صالح ہو اور کہے میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں۔"

یوں تو سب کے پاس زبانیں ہیں اور آج کل قلم ہیں اور چھاپنے کے لئے اخبارات و رسائل ہیں۔ اخبارات اور رسائل اب انڈسٹری کی صورت اختیار کر چکے ہیں' یہ صحافت نہیں رہی۔ صحافت کا نام خواہ مخواہ بدنام ہو رہا ہے۔ یہ ایک کاروبار ہے۔ جس طرح ایک کاروبار اور انڈسٹری کا کام یہ ہے کہ معاشرے میں جس چیز کی طلب ہو اُسے وہ مہیا اور پیدا کریں گے' یا پھر کسی ایسی چیز کی معاشرے میں مانگ (demand) پیدا کریں گے جس میں ان کو غیر معمولی منفعت کا یقین ہو' چاہے وہ شے نفسانی خواہشات کو مہمیز کرنے والی ہی کیوں نہ ہو' پھر اس کو سپلائی کرنے کے لئے مسابقت کریں گے۔ اس لئے کہ معاشرے میں طلب اسی کی ہے۔ انہیں تو اپنا پرچہ بیچنا ہے' پیسہ کمانا ہے۔ اس کے سوا اُن کے سامنے کوئی اصول نہیں' کوئی اعلیٰ قدر نہیں' کسی ذمہ داری کا احساس نہیں۔ جو کسی نے لکھ کر بھیج دیا شائع کر دیا۔ پرچے کا پیٹ بھرنا ہے۔ قارئین کی تفریح اور دلچسپی کا سامان مہیا کرنا ہے۔ کچھ نہیں سوچنا کہ لکھنے والا کفر لکھ رہا ہے' شرک لکھ رہا ہے' فحش لکھ رہا ہے' اللہ کے دین کا مذاق اڑا رہا ہے' شعارِ دینی کا تمسخر اور اقدارِ دینی کا استہزاء کر رہا ہے۔ قرآنی آیات کے تراجم و مطالب میں تحریف کر رہا ہے اور احادیث کو بازیچۂ اطفال بنا رہا ہے۔ پھر اخبارات و رسائل میں کثرت کے ساتھ لوگوں کی نگاہوں کو دعوتِ زنا دینے والی تصاویر شائع کی جا رہی ہیں۔ انہیں زیادہ سے زیادہ دیدہ زیب اور دلکش بنایا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اُس ملک میں دھڑلے سے ہو رہا ہے جس کے قیام کا مقصد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بتایا گیا تھا اور جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے ـــــ اور جس میں کوئی دن نہیں جاتا کہ یہ نوید نہ سنائی جاتی ہو کہ اس ملک میں جلد ہی اسلامی نظام آ رہا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اس دَور میں بھی دعوتیں بہت سی ہیں' زبان بھی ہے' قلم بھی ہے۔ جو جس کے جی میں آرہا ہے کہہ رہا ہے اور لکھ رہا ہے۔ لیکن فرمایا : اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہو' لوگوں کو بلا رہا ہو اور اس کے ساتھ اس کا عمل بھی دعوت کی مناسبت سے صالح ترین اور خلوص و اخلاص پر مبنی ہو۔ وہ خود اس پر کاربند ہو۔ یہ نہ ہو کہ اوروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت والا معاملہ ہو رہا ہے۔ بلکہ نقشہ یہ ہو کہ جو بات وہ کہہ رہا ہو اس پر سرتاسر خود عامل بھی ہو۔

یہ مفہوم و مطلب ہوا ان دو باتوں کا کہ : ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ ـــــ آگے تیسری بات یہ فرمائی : ﴿ وَقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ "اور کہے میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں" یعنی کوئی نیا فرقہ نہ بنایا جائے' بلکہ کہا جائے کہ میں بھی اللہ کے فرماں برداروں میں سے ایک ہوں' یعنی میں بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے پیروکاروں اور اللہ کی توحید پر ایمان رکھنے والوں میں سے ایک ہوں۔ میں بھی یوم جزا کا یقین رکھنے والوں میں سے ایک ہوں ـــــ ان ہی باتوں کے اقرار کا نام اسلام ہے۔ اپنا ایک علیحدہ تشخص بنانا اور مسلمانوں میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد ڈال دینا' اس سے بچنا چاہئے۔

اجتماعی زندگی میں توحید کے تقاضے

انفرادی توحید سے عملی توحید کی طرف پیش رفت کے ضمن میں دعوت الی اللہ کا مرحلہ سورۂ حم السجدۃ میں آیا۔ اب آیئے سورۃ الشوریٰ کی طرف جہاں اجتماعی زندگی اور معاشرتی نظام میں بھی توحید ہی کے روح رواں ہونے کا تقاضا ہے۔

آیت نمبر ۱۳ سورۃ الشوریٰ کی مرکزی آیت ہے۔

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ○ ﴾ (الشوریٰ : ۱۳)

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ ﴾ "(اللہ نے) مقرر کیا ہے تمہارے لئے دین"۔ یہاں پوری امت سے خطاب ہے کہ تم سب کے لئے یہی دین (اسلام) مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا : ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ "بے شک اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے۔"

اُمّت کا جامع اور ہمہ گیر مفہوم

صرف ہم ہی حضور ﷺ کی امت نہیں ہیں' بلکہ نبی اکرم ﷺ کی اُمت دعوت تو پوری نوعِ انسانی ہے۔ آپ تاقیامِ قیامت ہر مکان و زمان کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ از روئے آیاتِ قرآنیہ : ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ اور ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ـــــ لہٰذا پوری نوع انسانی نبی اکرم ﷺ کی "اُمت دعوت" ہے۔ جن لوگوں نے آنحضور ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیا یا آئندہ کریں گے وہ "امت اجابت" میں شامل ہیں یا ہو جائیں گے۔ امت اجابت کے معنی ہوں گے تصدیق و تسلیم کرنے والی امت ـــــ ہمارا حال کچھ بین بین ہے۔ عملاً تو ہم نے قبول کیا ہوا نہیں ہے۔ ہم نام کے اور نسلی مسلمان ہیں۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہ ہماری عظیم اکثریت فرائض دینی کی تارک اور شعائر دینی کی پابندی سے عاری ہے۔ نفس پرستی' زر پرستی' قبر پرستی' تعزیہ پرستی اور نہ معلوم کتنی اور پرستیوں میں مبتلا ہے۔ زمانے کے چلن کی پرستش ہے۔ نظریاتی سطح پر ملحدانہ اور مادہ پرستانہ کئی نظریات ہمارے فہیم طبقے کے قلب و ذہن پر مستولی ہیں ـــــ ان اعتبارات کے پیش نظر ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کی دعوت پر فی الواقع اور بالفعل لبیک کہا ہے' البتہ ہم دعوے دار اس بات کے ضرور ہیں کہ ہم جیسے کچھ بھی ہیں بہرحال محمد ﷺ کے نام لیوا اور آنحضورؐ کے امتی ہیں۔

اُمّتِ دعوت اور اُمّتِ اجابت

جو بھی رسول اللہ ﷺ اور قرآن حکیم کا مخاطب ہے وہ امتِ دعوت میں سے ہے' اور جو بھی اس دعوت پر لبیک کہہ کر اور اس کو قبول کر کے اس میں شامل ہو گیا وہ امت اجابت میں سے ہے۔ امتِ اجابت کو قرآن حکیم فرقان حمید ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سے

خطاب کرتا ہے ـــــ ان دونوں ہی سے سورۃ الشوریٰ کی اس آیت میں خطاب ہے۔

آیت کی تفہیم و تشریح

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ ﴾ "(لوگو!) تمہارے لئے اللہ نے وہی دین مقرر کیا ہے" کونسا دین؟ ﴿ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا ﴾ "جس کی اس نے وصیت کی تھی نوح علیہ السلام کو" ﴿وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ "اور جو ہم نے وحی کیا ہے (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف" ـــــ یہاں اِلَيْكَ واحد کا صیغہ ہے' لہٰذا مراد ہوں گے محمد ﷺ ـــــ ﴿ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ﴾ "اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو" (علٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ) یہاں پانچ رسولوں کا ذکر آیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا اور حضرات نوح' ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا۔ اور یہی وہ پانچ رسول ہیں جن کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ اولوالعزم من الرسل ہیں۔ بعض علماء اس فہرست میں حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کو بھی شامل کرتے ہیں' لیکن علمائے سلف کی اکثریت کا رجحان ان ہی پانچ رسولوں کی طرف ہے جن کا ذکر یہاں آیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر حضور ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا گیا ہے : ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ "پس (اے محمد ﷺ) آپ صبر کیجئے جیسے (ہمارے) باہمت اور صاحب عزیمت رسول صبر کرتے رہے ہیں"۔ یہاں اولوالعزم رسولوں سے یہی رُسل مراد ہیں۔ آیت کے اس ٹکڑے میں اہم بات یہ بیان ہوئی کہ ان سب رسولوں کا دین ایک ہی ہے۔ جو دین جناب محمد ﷺ لے کر آئے وہی دین لے کر آئے حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ پس دین میں کوئی فرق نہیں۔ یہ بڑی اہم بات ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ رسولوں کی شریعتیں مختلف رہی ہیں' اس میں کوئی شک نہیں۔ نماز کی جو شکل ہمارے یہاں ہے یہ شکل شریعت موسوی میں نہیں تھی۔ روزے کے جو احکام ہمارے یہاں ہیں وہ بنی اسرائیل کے روزوں کے احکام سے مختلف ہیں۔ لہٰذا شریعتوں میں فرق رہا ہے۔ البتہ دین ایک ہی رہا ہے۔ یہ بات اچھی طرح نہ سمجھیں گے تو "اَقِیْمُوا الدِّیْنَ" کا حقیقی مفہوم سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اس

لئے اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

جملہ انبیاء و رُسل کا دین ـــــ دینِ توحید

تمام انبیاء و رُسل کے مشترک دین کو واقعتاً ایک لفظ سے تعبیر کریں گے تو وہ ہو گا "دینِ توحید"۔ حضرت نوح کا دَور ہو' حضرت ابراہیم کا دَور ہو' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا دَور ہو (علیٰ ونبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور نبی خاتم الرسل آخر الزمان جناب محمد ﷺ کی دعوت ہو' ان سب کا دین ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے دینِ توحید۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب نبی اکرم ﷺ تک ہر نبی اور رسول اسی دعوتِ توحید پر مامور ہوتے رہے ہیں۔ توحید کی دعوت ایک نقطۂ واحدہ ہے جو سب کی دعوت میں مشترک ہے۔ اس میں کسی دور میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ توحید کیا ہے! یہ کہ انسان کو ہر معاملہ میں اللہ کا حکم ماننا ہے' اس کی ہدایت پر چلنا ہے۔ یہی تاکید جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کے ہبوطِ ارضی کے موقع پر کر دی گئی تھی : ﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾ توحید کا اصل تقاضا یہ ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی ہدایت اور اوامر و نواہی کے مطابق اس دنیا کی زندگی بسر کی جائے۔ تمام انبیاء و رُسل کی دعوت کا مرکزی نقطہ یہی توحید رہا ہے ـــــ قرآن مجید میں جن انبیاء و رُسل کا ذکر آیا ہے آپ ان سب کو پڑھ جائیے' سب کی دعوت یہی ملے گی کہ : ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾

شریعتیں جُدا رہی ہیں

مختلف رسولوں کے دَور میں شریعت کے احکام بدلتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں اللہ کا حکم ایک وقت میں ایک ہے دوسرے وقت میں دوسرا ہے۔ لیکن توحید وہی ہے۔ اُس وقت اُس حکم کی اطاعت کر لینا توحید تھی' اِس وقت اِس حکم کی تعمیل کرنا توحید ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے مختلف شریعتوں کے فرق کو بیان کرنے کے بجائے خود نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے ایک مثال پیش ہے جس سے ان شاء اللہ بات واضح طور پر سمجھ میں آ جائے گی۔ ہجرت کے بعد تقریباً سولہ مہینے آنحضور ﷺ نے بیت المقدس کی طرف

رخ کر کے نماز پڑھی' تا آنکہ حکم آ گیا : ﴿ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ "پس آپ پھیر دیجئے اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف" اس پر بعض صحابہ کرامؓ میں ایک بے چینی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس لئے کہ ان کو خوب اندازہ تھا کہ نماز تو عماد الدّین ہے' دین کا ستون ہے' رکنِ رکین ہے' بلکہ ایمان اور کفر میں امتیاز کرنے والی چیز درحقیقت یہ صلوٰۃ ہے۔ اس کی دین میں بہت اہمیت ہے۔ ان کو خیال آیا کہ اگر سولہ مہینے ہم نے غلط رخ پر نماز پڑھی تو ہماری ان نمازوں کا کیا ہو گا؟ دوسرے یہ کہ اس دَوران جن مسلمانوں کا انتقال ہو گیا اب ان کا کیا ہو گا؟ پس منظر میں یہ تشویش موجود تھی جس کے ازالے کے لئے اسی مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں : ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ "اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع کرنے والا نہیں ہے" فکر نہ کرو۔ اُس وقت تم نے اگر بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تو حکمِ خداوندی وہی تھا۔ اس وقت اسی اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسجد حرام کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔ تو اُس وقت توحید کا تقاضا وہ تھا' اِس وقت اسی توحید کا تقاضا یہ ہے۔ گویا حکم بدل سکتا ہے' اصول نہیں بدلے گا۔ اصول یہ ہے کہ اللہ کے حکم پر چلنا ہے۔ جس وقت جو حکم ہے اسے ماننا ہو گا۔

اسی طریقے سے دوسری مثال سیرتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں دیکھئے۔ مکی دَور میں حکم ہے کہ مشرکین اگر تمہیں دہکتے انگاروں پر لٹا رہے ہیں تو جھیلو' برداشت کرو' ہاتھ مت اٹھاؤ۔ اُس وقت اس حکم کی اطاعت کرنا اللہ کی اطاعت تھی۔ جبکہ مدنی دَور میں آ کر حکم ہوا ہے : ﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ﴾ "اور جنگ کرو اللہ کے راستے میں ان سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں"۔ اب اِس حکم پر عمل کرنا توحید ہے' اللہ کی اطاعت ہے۔ اللہ کی اطاعت وہاں وہ تھی یہاں یہ ہے۔ اللہ کی اطاعت کا اصول قائم رہے گا اگرچہ حکم بدل گیا ـــــ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت کچھ اور تھی جس کا ہمارے پاس کوئی ریکارڈ نہیں۔ ہمارے پاس اگر ریکارڈ ہے تو وہ شریعت موسویؑ کا ہے۔ اور ان شریعتوں کے فرق کو عام طور پر لوگ جانتے ہیں۔ پس شریعتیں بدلی ہیں' جدا رہی ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ یہ الفاظ بھی آئے ہیں : ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ "ہم نے تم (انسانوں) میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور راہِ عمل مقرر کی"۔

سابقہ امتیں اگر اُن کو دی ہوئی شریعتوں پر کاربند رہیں تو انہوں نے توحید کا تقاضا پورا کیا۔ اب شریعتِ محمدی ـــــ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ـــــ پچھلی تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔ اب اس پر چلنا توحید اور اطاعت الٰہی کا تقاضا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ تورات کا ایک نسخہ لے آئے تھے اور اس کو نبی اکرم ﷺ کے سامنے پڑھنا شروع کیا۔ (میرا یہ گمان ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں دلیل کے طور پر تورات کو پڑھ رہے تھے اور حضور ﷺ کو سنا رہے تھے) وہ تو پڑھنے میں لگے رہے اور ان کو اندازہ نہیں ہوا کہ حضورؐ کے چہرۂ مبارک پر ناراضگی کے آثار ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قریب تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ کو ٹوکا "دیکھتے نہیں ہو کہ حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کا کیا حال ہے!" ـــــ حضرت عمرؓ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور ان کو حضورؐ کے چہرۂ انور پر خفگی کے آثار نظر آئے تو فوراً ان کی زبان سے یہ الفاظ جاری ہو گئے : "رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا" تین بار انہوں نے ان الفاظ کا اعادہ کیا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کا غصہ فرو ہوا اور پھر حضور ﷺ نے فرمایا "اے عمر! اگر موسیٰؑ بھی اِس وقت زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اطاعت کئے بغیر چارہ نہیں تھا" اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اس لئے کہ تمام سابقہ شریعتیں شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے آنے کے بعد منسوخ ہو چکی ہیں ـــــ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اگرچہ انبیاء و رُسل علیہم السلام کی شریعتیں مختلف رہی ہیں، تاہم دین ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے "دین توحید"۔

دین اور شریعت میں ربط و تعلق

اب دیکھیں کہ دین اور شریعت میں کیا ربط و تعلق ہے۔ دیکھئے جدید سیاسیات میں دو اصطلاحات رائج ہیں۔ ایک دستور (Constitution)، دوسری قانون (Law)۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ دستور (Constitution) وہ دستاویز ہے جو کسی بھی ملک کے نظام کو متعین کرتی ہے۔ اساسی دستور میں طے ہوتا ہے کہ اس ملک میں حاکمیت کس کی ہے۔ حاکم (Sovereign) کون ہے؟ اور حاکمیت کس طرح استعمال (channelize)

ہو گی؟ وہ روبعمل (exercise) کس طور پر ہو گی۔ اس دستور کے تحت قانون سازی کا طریقہ کیا ہو گا؟ اس میں ردّوبدل کیسے ہو گا؟ انتظامیہ اور عدلیہ میں باہمی ربط و تعلق کیا ہو گا؟ ایک دوسرے کے محاسبہ اور توازن (checks and balances) کا نظام کیا ہو گا؟ ان بنیادی مسائل کے لئے رہنمائی دینے والی دستاویز اساسی دستور کہلاتی ہے۔ ہر ملک کے دستور میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ اساسی دفعات بہت پائیدار اور مضبوط ہوں۔ چونکہ دستور میں بار بار ترمیم مناسب نہیں ہوتی لہٰذا تبدیلی کا طریقہ (process) مشکل ترین رکھا جاتا ہے۔ اس دستور کے تحت حسب ضرورت اکثریت کی رائے سے قانون سازی ہوتی رہتی ہے' اور قانون صرف ۴۹ اور ۵۱ فیصد آراء کے فرق سے ہر وقت تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔ ایک وقت میں لیجسلیٹو اسمبلی یا پارلیمنٹ ایک قانون منظور کرتی ہے اور دوسرے وقت میں اس کو تبدیل کر دیتی ہے یا اس میں ترمیم (amendment) کر دیتی ہے۔ وہ ترمیم چھپ جاتی ہے اور وکلاء حضرات اس طرح قانون کی کتاب میں چیپیاں لگاتے رہتے ہیں ـــــ ان دونوں اصطلاحات سے یہ بات سمجھ لیجئے کہ دستور کی حیثیت ہے دین کی اور قانون کی حیثیت ہے شریعت کی۔

لفظ دین کا مفہوم

آگے بڑھنے سے قبل لفظ دین کے مفہوم کو بھی اچھی طرح سمجھ لیا جائے جس کی تشریح ابتدائی گفتگو میں مؤخر کی گئی تھی۔ عربی میں دین کے لغوی معنی ہیں "بدلہ"۔ ظاہر ہے کہ بدلہ کسی کام کے نتیجہ کے طور پر ملتا ہے۔ اچھے کام کا اچھا اور برے کام کا برا بدلہ ـــــ لہٰذا لفظ دین میں جزا و سزا کا مفہوم پیدا ہوا۔ اس مفہوم سے لفظ دین میں قانون اور ضابطہ کا تصور شامل ہوا' کیونکہ جزا اور سزا مستلزم ہے کسی قانون اور ضابطہ کو۔ اس تصور کے مقتضیات و لوازم کے طور پر اسی لفظ دین میں ایک مقنن اور مطاع کا مفہوم داخل ہوا۔ اب بدلہ' جزا و سزا' قانون و ضابطہ اور مقنن و مطاع کے تمام مفاہیم کو جمع کیجئے تو حاصل جمع ہو گا اطاعت۔ لہٰذا ان تمام مطالب و مفاہیم اور تصورات کے اجتماع سے قرآن مجید کی اصطلاح "دین" بنی۔ دین کے معنی ہوئے ایک دستور' ایک پورا نظامِ حیات' ایک

مکمل ضابطۂ زندگی جس میں ایک ہستی یا ادارے کو مطاع، مقنن اور حاکم مطلق تسلیم کر کے اس کی جزاء کی امید اور سزا کے خوف سے اس کے عطا کردہ یا جاری و نافذ کردہ قانون اور ضابطہ کے مطابق اس ہستی یا ادارے کی کامل اطاعت کرنا۔

ان تمام مفاہیم کو قرآن مجید میں ان الفاظ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے : ﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ﴾ بلاشبہ اللہ کا پسند کردہ نظامِ حیات تو اسلام یعنی مکمل فرماں برداری ہے۔ یہاں دین اور اسلام کے فرق کو بھی سمجھ لیجئے۔ "الدِّیْن" کے معنی یہاں ہیں "نظامِ حیات و اطاعت" اور الاسلام کے معنی ہوں گے تابعداری اور فرمانبرداری کرتے ہوئے زندگی بسر کرنا۔ نظامِ حیات اور دستور کے معنی میں یہ لفظ "دین" سورۃ النصر میں استعمال ہوا : ﴿ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۝ ﴾ غیر اللہ کے بنائے ہوئے نظامِ حیات پر بھی اسی "دین" کی اصطلاح کا اطلاق ہو گا۔ جیسے سورۃ یوسف میں بادشاہ کے رائج نظام کے لئے "دین الملک" استعمال ہوا، کیونکہ ملوکیت میں حاکمیت مطلقہ بادشاہ کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اور وہ کسی تحدید کا پابند نہیں ہوتا۔

دستور و قانون کا باہمی تعلق

اب پھر رجوع کیجئے اس بات کی طرف کہ دستور تو اصل میں نظام کو طے کرتا ہے اور اس نظام کے تحت قانون کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ لہٰذا دستور کی حیثیت ہے دین کی اور قانون کی حیثیت ہے شریعت کی۔ دستور طے کرتا ہے کہ حاکمیت کس کی ہے، اطاعت مطلقہ کس کی ہے؟ قانون سازی کا آخری اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ اللہ کے دین میں حاکمیت مطلقہ صرف اور صرف اللہ کے لئے ہے۔ اطاعت مطلقہ کی سزاوار اسی کی ذات عزوجل ہے۔ اس کی قائم کردہ حدود کے اندر اندر رہتے ہوئے اسلامی ملک کی پارلیمنٹ کو قانون سازی کا حق حاصل ہے۔

جمہوریت

دورِ حاضر میں سب سے زیادہ مقبول اور رو بعمل نظام جمہوریت ہے۔ گویا آج کل سب سے زیادہ رواں جمہوریت کا سکہ ہے۔ علامہ اقبال نے کہا تھا ع "سلطانیٔ جمہور کا

آتا ہے زمانہ!" یہاں "آتا" کو "آیا" سے بدل دیجئے تو یہ دَور جمہوریت کا دَور ہے۔ یہ بھی ایک دین ہے' دین جمہور۔ اس کی اصل یہ ہے کہ حاکمیت مطلقہ عوام کی ہے۔ عوام کے منتخب کردہ نمائندے جو چاہیں گے قانون بنائیں گے۔ انہیں اختیار ہے کہ شراب پر پابندی لگائیں یا اسے قومی مشروب قرار دیں۔ ان کو اختیار ہے کہ زنا پر کوئی سزا طے کریں یا اس کی کھلی چھوٹ دے دیں۔ اسی جمہوریت نے یہ گل کھلائے ہیں کہ بعض مغربی ممالک میں فعل قومِ لوط کو نہ صرف جائز قرار دیا گیا ہے' بلکہ اس فعل کو اس طرح قانونی تحفظ دیا گیا ہے کہ دو مرد بھی آپس میں شوہر اور بیوی کا رشتہ قائم کر کے رہ سکتے ہیں' قانون ان سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔ چونکہ ان کا قانون اس جوڑے کو جائز رشتہ ازدواج میں منسلک قرار دیتا ہے لہٰذا ان پر شوہر اور بیوی کے تمام حقوق و فرائض کا اطلاق ہو گا۔ یہ ہے جمہوریت جس میں حاکمیت مطلقہ عوام کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے نمائندے جو چاہیں قانون بنائیں' ان پر کوئی تحدید نہیں ہے۔

دین اللہ

دین الملک اور دین جمہور کے مقابلے میں دین اللہ' یعنی دین اسلام کیا ہے؟ وہ یہ کہ مطاعِ مطلق اللہ ہے۔ قانون سازی کا مطلقاً اختیار اللہ کو ہے۔ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ "حکمرانی اور فرماں روائی کا کلیتاً اختیار صرف اللہ کے لئے ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی بندگی کی جائے گی' اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہو گی۔ اسی طرزِ عمل اور رویہ کا نام دین قیم ہے"۔ اسلامی مملکت میں اللہ کی حاکمیت مطلقہ تسلیم کی جائے گی اور اللہ کے نازل کردہ دین و شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے حسب ضرورت قانون سازی ہوتی رہے گی۔ اصولِ دین سے کسی حال میں سرمو انحراف نہیں کیا جائے گا۔

ہمارے دستور کی قرارداد مقاصد

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور چند دوسرے اہل علم و دانش کے تعاون سے مرتب کردہ قرارداد مقاصد ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے منظور کی تھی جو

۱۹۷۳ء کے دستور تک ہر دستور میں بطورِ افتتاحیہ (Preamble) شامل ہے۔[۴] اس قرارداد میں یہ بات طے کی گئی تھی کہ اس سلطنتِ خداداد میں حاکمیت اللہ کی ہے اور عوام کے منتخب نمائندے اس کے نائب کی حیثیت سے امور و کاروبارِ حکومت چلائیں گے۔ وہ بہت اہم اور بڑا فیصلہ تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ فیصلہ دلی آمادگی سے نہیں کیا گیا تھا۔ یہ تو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی شخصیت' ان کی علمیت' ان کی وجاہت اور ان کا پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ' پھر عوام و خواص میں ان کی عزت و احترام اور ان کا اثر و رسوخ' ان سب باتوں کا رعب اتنا تھا۔ پھر یہ کہ نواب لیاقت علی خان مرحوم خود بھی مولانا کے کچھ زیر اثر تھے' لہٰذا قرارداد مقاصد پاس ہو گئی' ورنہ مجھے امید ہے کہ اس مجلس میں چند لوگ ایسے ضرور ہوں گے جن کو یاد ہو گا کہ قرارداد مقاصد کے منظور ہونے کے بعد دستور ساز اسمبلی میں کچھ نام نہاد مسلمانوں ہی نے کھڑے ہو کر یہ کہا تھا کہ اس قرارداد کے پاس ہونے پر آج ہماری گردنیں شرم کے مارے جھک گئی ہیں' آج ہم مہذب دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ حقیقت یہی ہے کہ بات چونکہ دل سے نہیں نکلی تھی لہٰذا اثر انگیز نہیں ہوئی۔ اندر خاص شخصیتوں کے دباؤ تھے' پھر خارج میں جماعت اسلامی کی برپا کردہ اسلامی دستور کی تدوین کے لئے کافی مؤثر تحریک تھی' جس کے نتیجہ میں اسمبلی میں خطوط' پوسٹ کارڈز اور تاروں نیز مختلف پلیٹ فارموں سے منظور شدہ مطالبوں کی قراردادوں کی نقول سے بوریوں پر بوریاں بھر گئی تھیں اور ان کا تانتا بندھا ہوا تھا' ملک نیا نیا بنا تھا' عوامی دباؤ کا بھی یہ نیا تجربہ تھا' لہٰذا برسراقتدار لوگ اس عوامی تحریک سے بھی کافی مرعوب ہو گئے تھے۔ رائے عامہ کا ظہور جس قدر بڑے پیمانے پر ہوا تھا اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ قرارداد مقاصد منظور تو ہو گئی' لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ کام خارجی دباؤ کے تحت ہوا تھا۔ اصل میں دل سے یہ بات نہیں نکلی تھی' لہٰذا وہ صفحۂ قرطاس کی زینت تو بن گئی لیکن اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جو پیش رفت ہونی چاہئے تھی وہ نہیں ہوئی۔ نہ اُس وقت ہوئی نہ آج تک ہوئی ہے۔

ایک کثیفہ

اس ضمن میں ایک لطیفہ بلکہ کثیفہ ملاحظہ ہو۔ ایک صاحب جو اُس وقت اسلامی

جمعیت طلبہ میں شامل تھے اور مجھ سے بڑے تھے' اب بھی حیات ہیں اور ایک نامور سیاسی لیڈر کی حیثیت سے معروف ہیں' ہم دونوں ساتھ ساتھ لاہور کی مال روڈ پر جا رہے تھے تو ایک بڑی سی کار پاس سے گزری جس میں ایک بہت لمبی داڑھی والے ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے توجہ سے دیکھا کہ کون ہیں! انہوں نے کہا کہ کیا دیکھتے ہو؟ یہ "قرارداد مقاصد" ہے۔ میں بڑا حیران ہوا اور میں نے کہا کیا کہہ رہے ہو؟ وہ کار والے صاحب سے ذاتی طور پر واقف تھے۔ انہوں نے کہا کہ ان کو لوگ "قراردادِ مقاصد" کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیوں؟ بولے "جس طرح قرارداد مقاصد کی ہمارے ملک میں کوئی حیثیت نہیں ہے ویسے ہی ان صاحب کے کردار میں اس داڑھی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اپنے کردار کے لحاظ سے یہ نہایت بدنام شخص ہے۔ دینداری کے اظہار کے لئے بڑی سی داڑھی رکھی ہوئی ہے' بالکل اس طرح جیسے قرارداد مقاصد کی حیثیت محض ایک دکھاوے کی چیز کے سوا کچھ نہیں"۔ ان کی بات صدفی صد درست ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ پینتیس (۵) سال گزر چکے ہیں' اور اس عرصہ میں اس قرارداد پر جو عمل ہوا ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ تاہم قراردادِ مقاصد کی یہ دفعہ جو ہر دستور میں محض رہنما اصول (Directive Principle) کے طور پر درج ہوتی چلی آ رہی ہے اصولی طور پر بہت اہم ہے :

(No legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah)

"کوئی ایسی قانون سازی نہیں کی جائے گی جو قرآن و سنت کے خلاف ہو"۔

اسلامی نظام کے مقتضیات

اگر قرارداد مقاصد اور یہ رہنما اصول ہمارے دستور کی نافذ العمل دفعہ (Operative Clause) بن جائے اور یہ دونوں واقعی اخلاص کے ساتھ صاحب اقتدار حضرات کے دلوں میں اتر جائیں' پھر ملک کی تمام ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کو کھلا اختیار دے دیا جائے کہ اس ملک کا رہنے والا ہر مسلمان اس دفعہ کے تحت جس قانون کو بھی چیلنج کرے کہ یہ قرآن و سنت کے خلاف ہے تو وہ عدالتیں اس قانون کا جائزہ لیں

اور اس کے بارے میں فیصلہ دیں ـــــ یہ دونوں چیزیں ملک کے دستور اور نظام کو اسلامی بنانے کے لئے کفایت کریں گی۔

باقی رہی یہ بات کہ انتخابات کا طریقہ کیا ہو! وہ جماعتی بنیاد پر ہو' متناسب نمائندگی کے اصول پر یا غیر جماعتی ہو؟ ملک کا نظام پارلیمانی ہو یا صدارتی ہو' وحدانی ہو یا وفاقی یا الحاقی ہو؟ یہ سارے مسائل مباحات کے دائرے کے ہیں۔ ہمارے ملک کے حالات کے اعتبار و لحاظ سے جو طریقہ مناسب نظر آئے اسے اختیار کرلیا جائے۔ اصل چیز یہ ہے کہ ملک کا نظام توحید پر استوار اور مبنی ہو۔ نظری طور پر تسلیم کیجئے اور عمل میں اُس کا مظاہرہ کیجئے کہ حاکمیت کا اختیار صرف اللہ کا ہے۔ نظری طور پر یہ بات قرارداد مقاصد میں موجود ہے اور عملاً اس رہنما اصول کو نافذ العمل بنانے کی ضرورت ہے کہ اس میں ملک میں قرآن و سنت سے متصادم کوئی قانون سازی نہیں کی جاسکے گی۔

قانون سازی کا ہمیں اختیار ہے' لیکن یہ اختیار محدود ہے۔ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے اندر اندر اور ان کی روح کے مطابق قانون بنا سکتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام میں ردوبدل کرنے کے ہم ہرگز مجاز نہیں ہیں' نہ ہم اُن سے تجاوز کر سکتے ہیں : ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾ اور ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ﴾ "یہ اللہ کی حدود ہیں' ان سے تجاوز نہ کرو"۔ اور "یہ اللہ کی حدود ہیں' ان کے قریب نہ پھٹکو"۔ (۶) اس دائرے کے اندر آپ قانون بنایئے۔ اس کے لئے بھی قرآن نے ان الفاظ مبارکہ میں واضح ہدایت دے دی ہے ﴿ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ لہٰذا ضروری ہے کہ معاملات باہمی مشاورت سے طے پائیں۔

قابل صد افسوس بات

آپ کو معلوم ہے کہ اس دور میں شرعی عدالتیں بنی ہیں' لیکن ان کا حال کیا ہے؟ ان کے بھی ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ان کو حکم ہے کہ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔ فلاں فلاں قوانین کی طرف نگاہ نہ اٹھانا۔ عائلی قوانین ان شرعی عدالتوں کے حیطۂ اختیار سے باہر ہیں۔ ان پر فیصلہ کرنے کی یہ عدالتیں مجاز نہیں کہ ان میں

شریعت کے خلاف کون کون سی دفعات ہیں۔ ان عائلی قوانین کو صاحبِ اقتدار حضرات کا تحفظ حاصل ہے۔ چونکہ ڈر ہے کہ اگر ان میں سے خلاف شرع دفعات حذف کر دی گئیں تو مغرب زدہ خواتین ناراض ہو جائیں گی۔ گویا ان کی ناراضگی کا اللہ کی ناراضگی سے زیادہ خوف ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ ان کی رضا اللہ کی مرضی و رضا سے زیادہ عزیز ہے۔ ان شرعی عدالتوں کو اس امر کا پابند بھی کر دیا گیا ہے کہ یہ مالی قوانین کے بارے میں بھی فیصلے دینے کی مجاز نہیں ہیں کہ کون سے قوانین اور طور طریقے خلافِ اسلام ہیں۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ اہم ترین نظام تو مالیات کا نظام ہی ہوتا ہے۔ آج کی دنیا میں سارا دارومدار تو معاشی نظام پر ہے۔ وہ طے کرتا ہے کہ پورا نظام کن اصولوں پر چلے گا۔

آپ کو بادنیٰ تامل نظر آجائے گا کہ ہمارے پورے نظامِ معیشت کا دارومدار حرام پر ہے۔ ہماری تمام بڑی بڑی صنعتیں اور ہماری تمام برآمدی و درآمدی تجارت سود کی بنیاد پر چل رہی ہے۔ ہماری زمین یعنی کاشت کاری کا اکثر و بیشتر بندوبست جاگیرداری اور زمینداری کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ ایک ہے صنعت و تجارت کا سود اور ایک ہے زمین کا سود۔ معیشت کا کل کا کل معاملہ سود کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ لیکن شرعی عدالتوں کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں کہ وہ ان مسائل کے متعلق کوئی فیصلہ (Verdict) نہیں دے سکتیں۔ ہو سکتا ہے کہ چند اور بھی مسائل ہوں جو ان عدالتوں کے حیطۂ اختیار سے باہر رکھے گئے ہوں۔ بہرحال عائلی قوانین اور مالی قوانین پر یہ عدالتیں کسی غور و فیصلہ کی مجاز نہیں ہیں۔ ان امور کو اگر دین کے تابع نہیں کیا گیا تو گویا بنیادی باتوں ہی سے اعراض و گریز کیا جا رہا ہے۔ پھر اسلام آئے گا تو کیسے آئے گا! اگر اسلام کو فی الواقع لانا ہے تو ان سب کو بدلنا ہوگا۔

آیت کی مزید توضیح و تشریح

اب آیئے سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ کی طرف۔ اس آیت کی ابھی تک صرف دو باتوں کی شرح ہوئی ہے۔ ایک تو یہ کہ ان پانچ رسولوں کا دین ایک ہی ہے اور یہ پانچوں چوٹی کے رسول ہیں ـــــ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء و رُسل کا دین ایک ہی رہا ہے' از آدم

علیہ السلام تا ایں دم' دین الٰہی ایک ہے۔ یہ دین کیا ہے؟ یہ ہے ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴾ انفرادی سطح پر اور اجتماعی سطح پر یہ بات مانو کہ اللہ ہی حاکم مطلق ہے۔ ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ اسی کے قانون کی تنفیذ ہو۔ جہاں اس نے آزادی دے رکھی ہو وہاں تم حدود میں رہ کر قانون بنا سکتے ہو۔ یہ اسی کی دی ہوئی آزادی ہے' لیکن اس کی مقرر کردہ حدود سے ہرگز تجاوز نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان میں ردوبدل کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہو گا دین کو قائم کرنا۔ یہ ہے اقامتِ دین۔

اس کو سمجھنے کے لئے اب آیت مبارکہ کے اگلے حصّے پر آ جایئے۔ ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ یہ دین اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کو قائم کرو۔ اس لئے تو نہیں دیا گیا کہ اس کی مدح کرو' اس کی تعریفیں کرو' اس پر کانفرنسیں کرتے رہو۔ کانفرنسیں اور محاضراتِ قرآنی ہم بھی کرتے ہیں' لیکن اگر ان کانفرنسوں اور محاضرات سے مقصود دین کو قائم کرنے کی جدوجہد میں کام لینا ہو تو ان کا انعقاد مبارک ہے' اور اگر چہ یہ چیزیں اپنی جگہ مقصود و مطلوب بن جائیں اور گفتن و برخاستن تک معاملہ رہے تو ان کا کوئی حاصل نہیں۔ کسی پیش نظر عظیم کام کے لئے ہو تو یہ احسن کام ہے۔ چونکہ ظاہر بات ہے کہ اس کے کچھ (Practical Aspects) ہوں گے۔ لہٰذا اصل مقصود ہی اس کام کا صحیح مقام متعین کرے گا ـــــ اقامت دین کی جدوجہد کے طور پر تبلیغ ہو رہی ہو تو وہ تبلیغ اور ہو گی۔ اور اگر تبلیغ برائے تبلیغ ہو رہی ہو تو وہ تبلیغ اور ہو گی۔ ان میں زمین و آسمان کا فرق ہو جائے گا۔ ایک ہے خالص مذہبی طرز کی تبلیغ اور ایک تبلیغ ہے انقلابی تبلیغ۔ ایک تبلیغ وہ ہے جو صرف عقیدہ کو پھیلاتی ہے' جیسے عیسائیت کی تبلیغ۔ وہاں نظام ہے ہی نہیں' دین ہے ہی نہیں' شریعت موجود ہی نہیں کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ اس کے احکام موجود ہی نہیں ہیں۔ ان کے ہاں صرف عقیدہ ہے یا اخلاقیات کی کچھ تعلیم ہے۔ اخلاقیات سب کے نزدیک مشترک چیزیں ہیں۔ ان کو آفاقی اخلاقیات (Universal Ethics) کہنا بجا ہو گا۔ شریعت ان کے ہاں سرے سے ہے نہیں تو نظام کیا بنے گا! لہٰذا اس کی تبلیغ صرف عقیدے اور چند اخلاقی اصولوں کی تبلیغ ہے۔ جس طرح

ایک بیل ہوتی ہے' وہ زمین پر پھیلتی ہے' سرے سے اوپر اٹھتی ہی نہیں' وہ خربوزے کی ہو' کدّو کی ہو' کسی چیز کی بھی ہو وہ زمین پر ہی رہ جائے گی' اوپر نہیں اٹھے گی۔ یہی مذہبی تبلیغ کا مزاج ہے۔ وہ زمین پر ہی پھیلتی چلی جاتی ہے۔ وہ کبھی نظام قائم نہیں کرتی۔ نظام کا قیام اس کے پیش نظر ہوتا ہی نہیں۔

اس کے برعکس انقلابی تبلیغ کسی نظام کو برپا کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اس کی مثال ہمارے سامنے اشتراکی تبلیغ ہے۔ ایک اشتراکی اپنی جدوجہد اور تبلیغ کے ذریعے اپنے نظریات کو پھیلاتا ہے' لوگوں کو اپنا ہم خیال بناتا ہے' اپنا لٹریچر پھیلاتا ہے' غزلوں' نظموں' افسانوں اور بہت سے ذرائع سے وہ اپنے فکر کو پھیلانے کے لئے جدوجہد کرتا ہے' پھر اس فکر کو قبول کرنے والوں کو منظم کرتا ہے' اس لئے کہ اس کے پیش نظر انقلاب برپا کرنا ہے۔ اس کے پیش نظر ایک نظام ہے جسے وہ سمجھتا ہے کہ صحیح اور بہترین نظام ہے۔ وہ غلط سمجھتا ہے یا درست' اس سے قطع نظر وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ وہ نظام ہے جو عدل پر مبنی ہے۔ وہ اس نظام کو برپا کرنے کے لئے تبلیغ کر رہا ہے۔ تو اس انقلابی تبلیغ میں اور اس مذہبی تبلیغ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی تبلیغ کو آپ دیکھیں گے تو اس میں آپ کو دونوں پہلو نظر آئیں گے۔ اللہ کی طرف دعوت بھی ہے' توحید کے عقیدے کی دعوت بھی ہے اور اقامتِ دین کی جدّوجُہد بھی ہے' نظام کو بدلنے کی سعی و کوشش بھی ہے۔ چنانچہ آگے چل کر جب ہم اس سورۂ شوریٰ کی اگلی آیات زیر بحث لائیں گے تو ان میں ہمیں دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ ہدف ملے گا : فَلِذٰلِكَ فَادْعُ "(اے محمد ﷺ) پس آپ اسی کی دعوت دیجئے"۔ یہاں "فَلِذٰلِكَ فَادْعُ" نہایت غور اور توجہ چاہتا ہے۔ دعوت کس چیز کی؟ دعوت اقامت دین کی ـــــ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ کی دعوت' دین کو بالفعل قائم کرنے کی دعوت۔ صرف عقیدے کی دعوت نہیں۔ ٹھیک ہے' نماز' روزے اور دوسرے نیکی کے کاموں کی دین میں بڑی اہمیت ہے' لیکن ان سب سے جو چیز مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی توحید کو اجتماعی نظام پر قائم کرنے کے لئے ان سے مدد حاصل کی جائے ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ "اے ایمان والو! مدد حاصل کرو (اللہ کی راہ میں مشکلات پر) صبر سے اور نماز سے"

ـــــ آگے جہاد فی سبیل اللہ کی جو چوٹی ہے' یعنی قتال فی سبیل اللہ ـــــ اس کے اعلیٰ و ارفع مقام کا ذکر ان الفاظ مبارکہ سے کر دیا گیا ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ صبر و صلوٰۃ سے مدد کس مقصد کے لئے حاصل کرنی ہے! وہ مقصد ہے اقامت دین کی جدوجہد!!

اسی کے متعلق نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا : ﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ﴾ "پس اے نبیؐ اسی کی دعوت دیجئے' اور جس چیز کا آپؐ کو حکم ہوا ہے اس پر جم جایئے اور ان (مشرکوں) کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے" - یہ ہے اقامت دین ﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ ﴾

تفرقہ کیا ہے؟

ایک لفظ ہے تفرقہ یا تفریق اور ایک ہے اختلاف۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اختلاف بالکل نیک نیتی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اختلاف جزوی ہوتا ہے۔ اختلاف کی وجہ سے یہ نہیں ہوتا کہ من دیگرم تو دیگری۔ جبکہ تفرقہ یہ ہے کہ ایک دوسرے سے کٹ جائیں' آپس میں پھٹ جائیں' ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ اختلاف تو امام ابو حنیفہ سے کیا امام شافعی نے (رحمہما اللہ) ـــــ امام ابو حنیفہؒ کے بعض فتاویٰ سے اختلاف کیا ہے خود امام موصوف کے شاگردوں نے۔ امام محمد اور امام قاضی ابو یوسفؒ نے بعض مسائل میں امام صاحبؒ کی آراء سے اختلاف کیا۔ ایک امام دوسرے امام کی رائے' تعبیر اور فتویٰ سے اختلاف کر سکتا ہے۔ ایک شاگرد اپنے استاذ کی رائے سے اختلاف کر سکتا ہے۔ ان سب کی نیتیں نیک ہیں' مبنی بر اخلاص ہیں۔ یہ سب دین الٰہی کا سکم اور اس کی منشاء قیاس اور اجتہاد کے ذریعے سے معلوم کرنا چاہ رہے ہیں۔ پس اختلاف نیک نیتی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اختلاف کوئی بری شے نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسی اختلاف سے دنیا کی رونقیں ہیں۔ چنانچہ ذوق نے کہا ہے ؎

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونقِ چمن
اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے!

ایک گلاب کا پودا ہے' اس میں جو پھول لگتے ہیں وہ سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ہر ایک کا رنگ اور انداز جدا جدا ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک ہی طرح کے تمام انسان ہوتے' رنگ ایک' شکل و صورت ایک' ناک نقشہ ایک' تو کتنی اُکتا دینے والی یکسانیت (monotony) ہو جاتی۔ ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل بلکہ قریب قریب ناممکن ہو جاتا۔

تفریق دین ایک نوع کا شرک ہے

تفرقہ کے متعلق جان لیجئے کہ امت میں تفرقہ اور دین میں تفرقہ کو شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے : ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ ط ﴾ "(اے نبیؐ!) جو لوگ اپنے دین کو پھاڑ دیں (ٹکڑے ٹکڑے کر دیں' اس میں تفرقہ ڈال دیں) اور گروہوں میں بٹ جائیں' یقیناً (اے نبیؐ!) ان سے آپؐ کا کوئی تعلق نہیں"۔ دین کو پھاڑنا کیا ہو گا؟ ـــــ نظامِ اطاعت کو تقسیم کر دینا۔ یعنی زندگی کے ایک حصّہ میں اللہ کی اطاعت ہو رہی ہے اور دوسرے حصوں میں کسی اور کی اطاعت ہو رہی ہے۔ کہیں اطاعت ہو رہی ہے شریعت الٰہی کی اور کہیں اپنے نفس کی خواہشات کی' کہیں زمانے کے چلن اور فیشن کی' کہیں برادری کے رواج کی۔ یہ دین ہی پھاڑ دیا گیا ہے۔ یہاں "فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ" کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ فَرَّقَ' یُفَرِّقُ' تَفْرِیْقًا آتا ہے پھاڑ دینے' کاٹ دینے' ٹکڑے ٹکڑے کر دینے اور جدا جدا کر دینے کے معانی میں۔

دوسرا ہے تَفَرُّقٌ فِی الدِّیْنِ یعنی خود دین کے معاملے میں متفرق ہو جائیں۔ دین کے معاملے میں متفرق ہونے کا تعلق ہے اقامت دین سے۔ مسلمان فرقوں میں منقسم ہو جائیں تو پھر دین کیسے قائم ہو گا؟ دین کو قائم کرنے کے لئے تو بڑی مضبوط جدوجہد کی ضرورت ہے۔ بڑی مجتمع قوتوں کی ضرورت ہے۔ مل جل کر کام کرنا اور زور لگانا ہو گا۔ آپ تصور کیجئے محمد ﷺ اور آپؐ کے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محنت' جدوجہد اور ایثار و قربانی کا' جس کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کا دین بالفعل قائم اور نافذ ہوا' جس کی مدح قرآن مجید جگہ جگہ کرتا ہے۔ سورۃ الفتح میں فرمایا : ﴿ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی

وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ "وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولؐ کو بھیجا ہدایت اور دین حق کے ساتھ' تاکہ اس کو پورے جنس دین (نظامِ اطاعت و نظامِ حیات) پر غالب کر دیں۔ اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر نہایت سخت اور آپس میں نہایت رحیم ہیں"۔ یہ شان نہ ہوتی تو دین قائم نہ ہوتا ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

اقامتِ دین فرض ہے

﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ "دین کو قائم کرو' اس معاملہ میں تفرقہ نہ ڈالو"۔ تم سب کا مقصود و مطلوب ایک ہو۔ تم سب کے سامنے یہی ہدف ہو کہ سب سے پہلے تو خود اللہ کا بندہ بننا ہے۔ یہ ہے انفرادی سطح پر توحید عملی۔ یہ توحید ہو گی اطاعت کو اللہ کیلئے خالص کرتے ہوئے۔ پھر اجتماعی جدوجہد کا آغاز ہو گا دعوت اِلی اللہ سے اور اس کا منتہا اور مقصود ہو گا کہ پورے نظامِ اجتماعی پر' ملک پر' پوری قومی زندگی پر اللہ کے دین کو قائم و نافذ کرنا ہے۔ یہ ہے اقامتِ دین جو سورۃ الشوریٰ کا مرکزی مضمون ہے۔

توحید عملی کے موضوع پر سورۃ الزمر' المؤمن' حٰمٓ السجدۃ اور الشوریٰ کا گروپ بہت اہم ہے۔ سورۃ الزمر میں انفرادی سطح پر توحید عملی کا بیان ہوا۔ اسی کا باطنی پہلو توحید فی الدعاء سورۃ المؤمن میں بیان ہوا۔ پھر انفرادی سطح سے اجتماعی سطح کی طرف بڑھیں تو دعوتِ توحید کا یہ مرحلہ سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں ذکر ہوا ـــــ اور اجتماعی سطح پر توحید عملی کا ہدف ہے اقامتِ دین جو سورۃ الشوریٰ میں بیان ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس فیصلہ کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی توانائیاں اور اپنی قوتیں اس توحید عملی پر مرتکز کریں اور انفرادی سطح سے اجتماعی نظام تک اس توحید کو برپا کرنے کے لئے اپنی کمر کس لیں۔

حواشی

(۱) اس ضمن میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل کے ایمان لانے کے واقعہ کا ذکر کرنا مناسب حال ہو گا۔ ان کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ "جب مجھے علم ہوا کہ میرا نام ان مجرموں میں شامل ہے جن کے قتل کا حکم نبی اکرم ﷺ فتح مکّہ کے موقع پر جاری فرما چکے تھے تو میں نے قتل کے خوف سے حبشہ منتقل ہونے کے لئے مکّہ چھوڑ دیا۔ جب ساحل سے حبشہ جانے کے لئے کشتی میں سوار ہوئے تو اثنائے راہ میں زبردست طوفان آ گیا۔ مسافروں نے پہلے تو اپنے دیوی اور دیوتاؤں کو پکارا' لیکن طوفان شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا تو ان کی زبان سے نکلا کہ اب تو صرف "اللہ" ہی ہمیں بچا سکتا ہے' چنانچہ سب ہی نہایت الحاح و زاری کے ساتھ اللہ سے اس مصیبت سے نجات کی دعائیں کرنے لگے۔ دُعا قبول ہوئی اور طوفان تھم گیا' البتہ طوفان نے کشتی کو جدہ کی بندرگاہ ہی پر واپس دھکیل دیا" —— اس کے بعد حضرت عکرمہ اپنے دل کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ: "اس موقع پر اچانک میرے دل میں روشنی پھوٹی کہ محمد (ﷺ) کی دعوت اسی توحید ہی کی تو ہے' اور یہ بُت انسان کے کام آنے والے نہیں' یہ تو ہمارے ہاتھوں کے تراشیدہ بے چارے اور معذور ہیں" —— آگے وہ کہتے ہیں کہ "مَیں نے دل میں اُسی وقت یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر میں طوفان سے بچ گیا تو آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لوں گا"۔ جب جدہ پر کشتی واپس آئی تو وہاں انہوں نے اپنی اہلیہ کو موجود پایا جو خود بھی مشرف باسلام ہو چکی تھیں اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے لئے نبی اکرم ﷺ کی جانب سے معافی کی نوید لائی تھیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو بڑا اطمینان ہوا کہ وہ معافی کی خوشخبری سننے سے قبل ہی اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ (مرتب)

(۲) اللہ تعالیٰ کی قربت اور معیت کی تفہیم کے لئے سورۂ ق کا یہ مقام: ﴿ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ اور سورۃ الحدید کا یہ مقام: ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ پیش نظر رہیں۔ (مرتب)

(۳) نو آیات مزید ملاحظہ ہوں جن میں نہی کے اسلوب میں اللہ کے سوا یا اللہ کے ساتھ کسی اور سے دُعا کی ممانعت کی گئی ہے۔ مخاطب نبی اکرم ﷺ ہیں' لیکن آپ ﷺ کی وساطت سے پوری نوع انسانی بالعموم اور مدعیان ایمان بالخصوص مخاطب ہیں۔ پہلی آیت سورۂ یونس کی ہے۔ فرمایا: ﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ "اور (اے نبیؐ!) اللہ کو چھوڑ کر کسی ہستی کو نہ پکارو' (اللہ کے سوا) کوئی چیز نہ آپ کو فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان"۔ اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا کیا تو آپؐ بھی

ظالموں (یعنی مشرکوں) میں سے ہو جائیں گے" —— دوسری آیت سورۃ الشعراء کی ہے' فرمایا : ﴿ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝ ﴾ "پس (اے نبیؐ! اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا کیا تو آپؐ بھی سزا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے"۔ نہی کے اسلوب میں جو تاکید اور جو زور ہوتا ہے نیز "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اور "مَعَ اللّٰهِ" میں جو تمیز و امتیاز اور فرق و تفاوت ہے وہ بادنیٰ تامل سمجھ میں آسکتا ہے۔

(۴) صدر ضیاء الحق مرحوم نے قرارداد مقاصد کو دستور میں دفعہ ۲۔الف کی حیثیت سے شامل کر دیا تھا۔

(۵) واضح رہے کہ یہ خطاب ۱۹۸۳ء کا ہے۔

(۶) ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ بندۂ مؤمن کے اختیار کی کیفیت اس گھوڑے کے مانند ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہو۔ اب جتنی لمبی رسی ہے اُسی قدر وہ اس کھونٹے کے چاروں طرف جا سکے گا' اس رسی سے تجاوز نہیں کر سکے گا۔ یہی طرزِ عمل ایک مؤمن بندے کا ہونا چاہئے۔ (او کما قال) اس سے ایک صحیح اسلامی ریاست کی حدود اختیارات کو سمجھا جا سکتا ہے —— اسلامی ریاست میں اختیارات کی حد بندی کے لئے سورۃ الحجرات کی یہ آیت کریمہ رہنمائی کرتی ہے کہ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ "اے اہل ایمان! اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے (یعنی ان کے احکام سے) پیش قدمی نہ کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے"۔ اس آیت کی رو سے ایک اسلامی ریاست کو لازماً اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے تابع ہو کر کاروبارِ حکومت چلانا ہو گا۔ (مرتب)

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والا' امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد کا پروگرام "حقیقت دین"

اب ہفتہ میں دوبارہ دیکھا جا سکتا ہے :

i) جمعرات — شام سوا چھ بجے — پی ٹی وی ورلڈ پر

ii) اتوار — صبح ساڑھے نو بجے — پی ٹی وی پر

حِزبُ اللہ

بیسویں صدی کی پہلی اسلامی تحریک

تحریر: ڈاکٹر عبید اللہ فلاحی، علی گڑھ

حکومت الہیہ کے قیام کی خاطر مولانا ابوالکلام آزاد کی قائم کردہ جماعت "حزب اللہ" کے بارے میں ایک تحقیقی مضمون جو برعظیم پاک و ہند کی اسلامی تحریکات کے لئے ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مضمون ہم علی گڑھ (انڈیا) سے شائع ہونے والے سہ ماہی مجلّے "تحقیقات اسلامی" کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

ادارتی نوٹ از سید جلال الدین عمری، مدیر "تحقیقات اسلامی"

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت ہماری حالیہ تاریخ کی عظیم شخصیت تھی۔ مولانا کے افکار و خیالات کی تشکیل جن حالات میں ہوئی انہیں سامنے رکھنا بہت ضروری ہے۔ اسی سے ان کی صحیح قدر و قیمت کے تعین میں مدد ملے گی اور ان سے استفادہ آسان ہو گا۔ مولانا آزاد کو ایک ایسی دنیا ملی جس میں ہر طرف مغرب کا، خاص طور پر انگریزوں کا نہ صرف سیاسی اقتدار قائم تھا، بلکہ ان کی فکر اور تہذیب کی بھی حکمرانی تھی۔ برصغیر بھی اسی اقتدار کے تحت تھا۔ اس اقتدار کے خلاف آزادی کی جدوجہد شروع ہو چکی تھی۔ مولانا آزاد اس میں پوری طرح شریک تھے، بلکہ اس کے ایک سرخیل تھے۔ برصغیر سے باہر کے مسلم ممالک بھی مغرب کے زیر تسلط تھے۔ ان ممالک میں بھی اس کے خلاف جذبات پرورش پا رہے تھے اور آزادی کی جدوجہد شروع ہو چکی تھی۔ خلافت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور اس کے احیاء کی خواہش اور کوشش جاری تھی۔ مغرب ان تمام کوششوں کو بزور دبانے اور کچلنے کے درپے تھا، ایک طرف جمہوریت، آزادی فکر و عمل اور مساوات کا درس دے رہا تھا، دوسری طرف اپنے حدود اختیار میں ان سب اقدار کی مسلسل خلاف ورزی کر رہا تھا۔ بادشاہت کو محدود کرنے کے باوجود آمرانہ روش اور استبداد کا رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ ان حالات میں

مسلمانوں کے لئے مولانا آزاد نے جو خطوط کار اور طریقۂ عمل تجویز کیا تھا اس کے کئی پہلو آج کے حالات میں نظرثانی کے محتاج ہیں۔ بعض باتیں اصولی ہیں' ان کی قدر و قیمت ہر دور میں باقی رہے گی' بعض باتیں اس وقت کے حالات کے زیر اثر کہی گئی ہیں' وہ اپنے وقت پر صحیح ہو سکتی ہیں' لیکن آج کے حالات پر ان کا پوری طرح انطباق نہیں ہوتا۔ اسی پہلو سے ذیل کے مضمون کا مطالعہ ہونا چاہئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء۔۱۹۵۸ء) نے ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو ہفتہ وار الہلال کا اجراء کیا۔ ابھی اس کی اشاعت کو ایک سال اور دو ماہ مکمل ہوئے تھے کہ حکومت نے اس کی حق گوئی اور بے باکی سے گھبرا کر ۱۸ ستمبر ۱۹۱۳ء کو دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کرلی۔ فاضل مدیر نے ۲۳ ستمبر کو یہ رقم جمع کرادی۔ حکومت نے مزید ستم یہ کیا کہ ۱۴ اور ۲۱ اکتوبر ۱۹۱۴ء کے مشترکہ شمارہ کو ضبط کرلیا۔ اس پر بھی الہلال کے صدائے احتجاج اور قوتِ پرواز میں کوئی کمی نہ آئی تو ۱۶ نومبر ۱۹۱۴ء کو حکومت نے پچھلی ضمانت ضبط کرلی اور دس ہزار روپیوں کی نئی ضمانت کا مطالبہ کرادیا۔ مطالبہ پورا نہ کرنے کی وجہ سے ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کی اشاعت کے بعد خود ہی الہلال بند کردیا۔ ۲ سال ۴ ماہ کی اس مختصر ترین مدت میں الہلال اور اس کے فاضل مدیر نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان میں سرفہرست حزب اللہ جیسی اسلامی انقلابی تحریک کی تشکیل اور توسیع ہے۔

الہلال نے مسلمانوں میں جس پیغام کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا اس کے تین بنیادی نکات تھے :

① اسلام اور قرآن کسی شخصی اقتدار کو جائز تسلیم نہیں کرتے۔ وہ آزادی اور جمہوریت کا ایک مکمل نظام ہے جو نوعِ انسانی کو اس کی چھینی ہوئی آزادی واپس دلانے کے لئے آیا تھا۔[1] اور یہ کہ وہ ہاتھ نہایت مقدس ہے جس میں صلح کا جھنڈا لہرا رہا ہے' مگر زندہ وہی ہاتھ رہ سکتا ہے جس میں خونچکاں تلوار کا قبضہ ہو۔[2]

② مسلمانوں کی نجات و فلاح نہ تو دعوتِ تعلیم میں ہے نہ دعوتِ قومیت و سیاست میں' نہ انجمنوں کی کثرت میں ہے اور نہ محض مدرسوں اور کالجوں کے قائم کرنے میں' بلکہ جب تک حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ اور داعیٔ اسلام کی سنت

مقدسہ سے کوئی دعوتِ حق ماخوذ نہ ہو گی اس وقت تک کامیابی اور فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔ (۳)

③ ہندوستان کی آزادی اور ملک کی ترقی کا جھنڈا خود مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے' کیونکہ اسلام آگے رہنے کے لئے ہے پیچھے رہنے کے لئے نہیں' اور اس کا مقصد نوعِ انسانی کو ہر قسم کی بیڑیوں سے آزاد کرنا اور انہیں مکمل آزادی دلانا تھا۔ (۴)

الہلال کے ان نکاتِ ثلاثہ کو اگر ایک لفظ میں سمیٹنا مقصود ہو تو اس کے لئے "اتباعِ کلمات اللہ اور جمیع ماجاء بہ القرآن" کے الفاظ استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ مولانا آزاد کے الہلالی پیغام میں "رجوع الی القرآن" کا مرکزی سبق بڑا نمایاں اور ممتاز مقام رکھتا تھا۔ وہ خود مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہیں :

"اگر اسلام ان کو پالیٹکس کی طرف بلائے تو لبیک کہہ کر دوڑ جائیں۔ اگر وہ اس سے اجتناب کی تعلیم دے تو اشارے کے ساتھ ہی مجتنب ہو جائیں۔ اگر وہ کہے کہ غلامی اور خوشامد دو ہی چیزیں اصلی ذریعۂ فوز و فلاح ہیں تو وہ سر سے پاؤں تک غلامی کی تصویر بن جائیں۔ اگر وہ کہے کہ آزادی و حقوق طلبی ہی میں قومی زندگی اور عزت ہے تو ان کا وجود یکسر پیکرِ حریت اور جہدِ حریت ہو جائے۔ اخلاق' تعلیم' تمدن' شائستگی' اصلاحِ معاشرت غرض یہ کہ ہر ایک متمدن زندگی کے جتنے اجزاء ہیں ان میں وہ جس طرف بلائے اسی طرف جھک جائیں۔ خود اُن کی کوئی خواہش' کوئی ارادہ' کوئی تعلیم' کوئی پالیسی نہ ہو۔ ان کی خواہش اور پالیسی صرف اتباعِ قرآن ہو۔"

الہلال نے اتباعِ قرآن کے ساتھ جہاد کی فرضیت کا فتویٰ بھی کھلے لفظوں میں صادر کیا اور اقرارِ شہادتین کو فرائض اسلامیہ میں سے پہلا فرض اور جہاد کو آخری فرض قرار دیا اور پانچ وقت کی نمازوں کی ادائیگی کی طرح حق و عدل کے قیام کیلئے اپنا نفس اور اپنا خون بہانے کو حکم اجباری سے تعبیر کیا۔ انگریزوں کے خوف اور بعض وقتی مصالح کے پیش نظر متعدد علماء و متجددین نے اس وقت فرضیت جہاد کی منسوخی کا فتویٰ دے دیا تھا (۶) اور بعض مصنفین نے اگر جہاد کی مشروعیت کو تسلیم کیا بھی تو اُسے دفاع کے اندر محصور

قرار دے دیا تھا۔ (۷) بعض عالموں نے قرآن کے حکم جہاد کو محض سعی و جہد اور زبانی و تحریری تبلیغ کے ہم معنی ہونے کا اعلان کر دیا تھا' مگر الہلال نے بغیر کسی معذرت اور حیلہ و بہانہ کے جہاد کے فرض ہونے کا بڑے دبدبہ سے اعلان کیا۔ مولانا آزاد نے لکھا کہ : "بلادِ اسلامیہ کے کسی حصہ پر جب بھی حملہ ہو گا دنیا کے ہر مسلمان پر احکامِ خمسہ کی طرح فرض ہو گا کہ جانی' مالی اور تبلیغی جہاد کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی تمام عباداتِ مالی و بدنی باطل و بے سود ہیں' کیونکہ نماز روزہ اسی وقت ہے جب تک کلمۂ توحید کو بقا ہے' لیکن جب جڑ خطرے میں ہو تو شاخیں قائم نہیں رہ سکتیں۔"(۸)

یہ تھی اس نظریاتی ہمواری اور فکری تیاری کی تلخیص' جس کے لئے مولانا آزاد الہلال کے اولین شمارہ سے ہی یکسو تھے۔ اسی ذہنی و فکری پس منظر کے ساتھ حزب اللہ کی تشکیل عمل میں آئی۔ چنانچہ الہلال میں مولانا نے "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ" (کون ہیں اللہ کی راہ میں میرے مددگار؟) کے عنوان کے ساتھ پہلے یہ نوٹ شائع کیا :

"پھر کہتا ہوں' آج جبکہ ہماری قومی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں ہے جو محتاجِ احیاء نہ ہو' کاموں کی کوئی کمی نہیں ہے' کمی صرف مجاہدین حق اور جاں نثارانِ ملت کی ہے۔ آپ اگر اپنی زندگی میں سے' جس کے چوبیس گھنٹے روزانہ فکر نفس و جاں میں صرف ہوتے ہیں' کچھ وقت اپنے اسلام اور اپنے خدا کو بھی دینا چاہتے ہیں تو اٹھ کھڑے ہو جئے اور اپنے آپ کو ظاہر کیجئے۔ کاموں کا فیصلہ منٹوں اور لمحوں میں ہو جائے گا۔ پس میں اعلان کرتا ہوں کہ ابنائے ملت میں سے جو ابنائے درد آج کام کرنے کے لئے اپنے اندر کوئی سچی مستعدی اور اس کا اضطراب رکھتے ہیں وہ اس پرچے کو دیکھتے ہی صرف اتنی زحمت گوارا فرمائیں کہ اپنا اسم گرامی مع نشانی و شغل و پیشہ کے ایک کارڈ پر لکھ کر دفتر الہلال میں بھیج دیں' کیونکہ جو طریق کار پیش نظر ہے (اور جو اپنی ابتدائی منزلوں سے گزر بھی چکا ہے) اس میں پہلی چیز یہی سمجھتا ہوں کہ مجاہدین حق اور جاں نثارانِ ملت کی ایک فہرست جلد سے جلد تیار ہو جائے۔ یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری دعوت سیر چمن اور تماشائے لالہ زار کی نہیں ہے' میں کانٹوں پر لوٹنا چاہتا ہوں اور ایسے ہی ایذا دوست اور زیاں پسند لوگوں کا طالب ہوں جن کو مرہم کی

راحت سے زخم کی شورش زیادہ محبوب ہو' کیونکہ میں عمل کی دعوت دیتا ہوں اور راہِ عمل کبھی بھی پھولوں کی چادر نہیں رہی ہے۔ پس جو صاحب اپنا اسم گرامی بھیجیں پہلے اپنی مستعدی اور اضطرابِ دل کا بھی پورا اندازہ کرلیں۔

گریزد از صفت ما ہر کہ غوغا نیست
کیسکہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست" (۹)

الہلال کے اگلے شمارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اعلان کو پڑھ کر تقریباً آٹھ سو آدمیوں نے اپنے نام اور پتے مولانا آزاد کی خدمت میں بھیجے۔ اسی شمارہ میں رکنیت فارم کے چھپنے کا اعلان بھی شائع ہوا اور مولانا نے حزب اللہ کی تشکیل پر عام قارئین اور متفقین کی تحسین و تبریک سے حیاتِ نو اور ولولۂ تازہ محسوس کیا :

"الحمد للہ کہ گزشتہ نمبر کی اشاعت میں جو پہلی آواز "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ" کی بلند کی گئی تھی اس کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل کھول دیئے اور اس جواب میں "نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ" کی صدائے ہمت افروز و امید نواز ہندوستان کے ہر گوشے اور خطے سے بلند ہونے لگی ہے۔ آج منگل کی شام تک تقریباً آٹھ سو ناموں سے فہرست کی ابتداء ہو گئی ہے۔ **فالحمد للّٰہ علی توفیقہ و کرمہ ولطفہ۔** آج کی اشاعت کے ساتھ ایک فارم بھی شائع کیا جاتا ہے' صرف اس کی خانہ پری کر کے بھیج دیجئے۔ پچھلے دنوں کے اندر جو رفتار مجاہدین خدمت اسلامی کی اللہ نے دکھلادی ہے اس نے میرے اندر ایک حیاتِ تازہ پیدا کردی ہے اور امید ہے کہ دو ہفتے کے اندر اپنی پیش نظر تعداد کو پورا دیکھ لوں گا اور اس کے بعد دوسری منزل کی طرف بڑھوں گا۔ **فالسعی منی والا تمام من اللّٰہ تعالٰی**"(۱۰)

اگلے شمارہ میں اشاعت کے ساتھ رکنیت فارم بھی طبع ہوا جس کا نمونہ حسب ذیل ہے :

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ!

(ہم اللہ کے مددگار ہیں)

﴿ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○ ﴾

(میری عبادت' میری قربانی' میرا جینا' میرا مرنا غرضیکہ میری ہر چیز اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی قربانی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں پہلا مسلم ہوں۔)

نام _____

پیشہ _____

عمر _____

پتہ _____ (۱۱)

الہلال کے آئندہ شمارہ میں مولانا آزاد نے پھر ایک مختصر نوٹ لکھا :

"نفائسِ دل و دیں دہم بہ نیم نگاہ
بمن معاملہ کن کہ راست گفتارم

اکثر حضرات کو درخواست کے فارم کی کمی کی شکایت تھی' اس لئے اس کے پھر چار فارم حاضر ہیں۔ جن حضرات کو اور زیادہ مطلوب ہوں "عارضی ادارہ نظمیہ حزب اللہ" سے دفتر الہلال کے ذریعہ طلب فرمائیں۔ ۲۵' ۲۵ فارموں کی کتابیں مع مضامین دعوت و تبلیغ متعلقہ بھی چھپ رہی ہیں۔ العجل! العجل! العجل! فَاِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ" (۱۲)

دو ہفتے تک الہلال کے صفحات میں حزب اللہ کے تعلق سے مزید کوئی اعلان یا خبرنامہ شائع نہیں ہوا۔ ۴ جون ۱۹۱۳ء کا شمارہ منظرعام پر آیا تو اس میں حسب ذیل طویل نوٹ موجود تھا :

"جن صاحبانِ ایقان اور جان نثارانِ اسلام نے ایک مبہم و مجمل صدائے دعوت کو سن کر اپنا نام بلا تامل بھیج دیا اور تمام خطرات و وساوس سے مرعوب نہ ہوئے جو ایسے موقع پر قدرتی طور پر نفس انسانی میں پیدا ہوتے ہیں' انہوں نے فی الحقیقت راہِ جاں سپاری و فدویت کا پہلا امتحان دے دیا۔ اس طریق دعوت میں فی الحقیقت ایک بہت بڑی حکمت پوشیدہ تھی۔ اس سے یہی مقصود تھا کہ سچی پیاس رکھنے والے اور جھوٹے مدعیانِ تشنگی میں تمیز ہو جائے۔ جن کو سچی پیاس ہوگی وہ پانی کا نام سنتے ہی دوڑیں گے اور پیاس کی شدت انہیں اس کا موقع ہی نہ دے گی

کہ عاقبت بینیوں اور مصلحت اندیشیوں میں مبتلا ہوں۔ پس جن لوگوں نے بلا تامل قدم بڑھایا وہ الحمدللہ کہ پہلی منزلِ امتحان سے کامیاب گزر گئے اور بعد کی آنے والی منزل سے گزرنے کا اپنے تئیں مستحق ثابت کر دیا ـــــ تائید الٰہی عنقریب اس دعوت کو ایک عظیم الشان جماعت کی صورت میں ظاہر کرنے والی ہے۔ لیکن جبکہ اغراض و مقاصد کی اشاعت ہو جائے گی تو پھر یاد رہے کہ اس کی طرف سبھی بڑھیں گے، لیکن اس کا اجر اُن لوگوں کا ساتو نہیں ہو سکتا جنہوں نے خطرات و خدشات کے ہجوم میں اس کا ساتھ دیا ہے۔"[۱۳]

اسی شمارہ میں یہ بھی اعلان تھا کہ حزب اللہ کے اغراض و مقاصد کی تفصیل و تشریح کے لئے ایک رسالہ الگ سے زیر طبع ہے اور یہ کہ ۱۵ جون سے اس رسالہ کی ترسیل شروع ہو جائے گی۔ اس کے بعد الہلال کے آئندہ کئی شماروں میں حزب اللہ سے متعلق کوئی زیادہ تفصیلات فراہم نہیں کی گئیں، البتہ بعض مختصر اعلانات اور نوٹ ضرور شائع ہوئے جن میں اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دینے اور ہر دُنیوی منفعت سے دست کش ہو جانے کی تلقین کی جاتی رہی۔[۱۴]

چند ماہ کے وقفہ کے بعد ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء کے شمارہ میں مولانا نے حزب اللہ کے مقاصد اور طریق کار پر ایک مفصل مضمون رقم کیا۔ اغلب گمان ہے کہ یہی وہ مضمون ہے جس کا مولانا نے پچھلے شماروں میں متعدد جگہ حوالہ دیا ہے۔ اور اغراض و مقاصد کا جو رسالہ علیحدہ طبع ہوا تھا اس کے مشمولات بھی وہی تھے جو اس طویل مضمون میں زیر تحریر تھے۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لائبریری میں ایک رسالہ محفوظ ہے جسے ناظم قومی دارالاشاعت محلّہ کوٹلہ شہر میرٹھ نے ۱۹۲۱ء میں حزب اللہ کے نام سے شائع کیا تھا، اس رسالہ پر مصنف کی حیثیت سے امام الہند مولانا آزاد کا نام طبع ہے۔ اس رسالہ کا لوازمہ بھی وہی ہے جو ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء کے الہلال کے شمارہ کا ہے۔[۱۵] اس مضمون کی ابتداء حسب ذیل قرآنی آیت سے ہوتی ہے۔

﴿ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا ﴾[۱۶]

یہ جماعت "حزب اللہ" کے نام سے موسوم ہوگی کہ خدا تعالیٰ نے مؤمنین کو اسی لقب سے ملقب فرمایا ہے۔

اس کے بعد مولانا نے اس جماعت کا مقصد وحید "اتباعِ اسوۂ ابراہیمی و محمدی علیہما الصلوٰۃ والتسلیم" قرار دیا، کیونکہ قرآن حکم دیتا ہے کہ :

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (۱۷) اور ﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ﴾ (۱۸)

اس کے بعد مولانا نے سورۂ توبہ کی حسب ذیل آیت کو حزب اللہ کی بنیاد قرار دیا ہے :

﴿ اَلتَّائِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ﴾ (۱۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سچے مسلمانوں کی آٹھ صفات گنائی ہیں :

اَلتَّائِبُوْنَ (وہ جو توبہ کرنے والے ہیں) مولانا لکھتے ہیں کہ اصلاح و تزکیۂ نفس کا اولین مرتبہ توبہ و انابت ہے، یعنی بندے کا اپنے اعتقاد و اعمال کی تمام گمراہیوں اور غفلتوں سے کنارہ کشی کرنا اور اللہ کے حضور عہدِ واثق کرنا کہ وہ آئندہ اس کی مرضیات کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے گا۔

اَلْعَابِدُوْنَ (اللہ کے عبادت گزار ہیں) توبہ و انابت گزشتہ اعمال کا ترک تھا، عبادت حال و مستقبل کا عمل ہے۔

اَلْحَامِدُوْنَ (اس کی حمد و ثنا ہمیشہ وردِ زبان رکھتے ہیں) وہ لوگ جو دنیا میں انسانی اعمال کی حمد و ثنا اور اغراض و مقاصد نفسانیہ کے غلغلہ کی جگہ خدائے قدوس کی حمد و ثناء کی پکار بلند کریں اور جو توفیق الٰہی سے اس انقلاب کا وسیلہ بنیں کہ دنیا مادہ پرستی کے شور سے نجات پاکر حمد الٰہی کے ترانوں سے معمور ہو جائے۔

اَلسَّائِحُوْنَ (اس کی راہ میں اپنے گھروں کو چھوڑ کر سفر کرتے ہیں) یعنی جو لوگ حق و صداقت کی راہ میں اپنے گھر اور وطن کے قیام کو ترک کر کے، فرزند و عیال اور دوست و احباب کی الفت سے بے پروا ہو کے اور سفر کی تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو

خوشی خوشی جھیل کر نکلیں اور خدا اور اس کی صداقت کے عشق میں شہر شہر، کوچہ کوچہ گشت لگائیں۔ خدا کی دعوت کی صدا اُن کی زبانوں پر ہو اور ہدایت الٰہی کی امانت دلوں میں۔

مولانا آزاد نے یہاں "سیاحت" اور "سائح" کی اچھی تفہیم کی ہے، مگر راہِ خدا میں پھرنے کا یہ ترجمہ اس لفظ کے تمام اطراف و جوانب کا احاطہ نہیں کرتا اور نہ یہ اس جامع اصطلاح کی روح سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی تو زمین میں چلنے پھرنے ہی کے ہیں مگر اصطلاحی سیاحت کا مفہوم صاحب لسان العرب نے یوں ادا کیا ہے : الذھاب فی الارض للعبادۃ و الترھب [۲۰] (عبادت و ریاضت کے لئے کسی سمت کو نکل کھڑے ہونا) اسلام سے پہلے اکثر مذاہب میں رہبانیت کے اس تصور کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، مگر اسلام جو دین فطرت ہے، اس نے رہبانیت کو خلافِ فطرت قرار دے کر ممنوع ٹھہرایا اور زہد و توکل، ذکر و فکر، خلوت و تبتل، ریاضت و مجاہدہ، جستجوئے حقیقت، طلب علم اور دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ جیسے اطرافِ سیاحت کو مطلوب و محمود تسلیم کیا۔ سیاحت کے اس مثبت تصور کو اسلام نے روزہ، اعتکاف، عمرہ، حج اور دعوت و جہاد میں سمو دیا ہے۔ اسی لئے احادیث میں ایک طرف یہ ارشاد گرامی موجود ہے کہ : ((لَا سِیَاحَۃَ فِی الْاِسْلَامِ)) [۲۱] (اسلام میں سیاحت نہیں) اور دوسری طرف آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ : ((سِیَاحَۃُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الصِّیَامُ وَ لُزُوْمُ الْمَسَاجِدِ)) [۲۲] (اس امت کی سیاحت روزے رکھنا اور مسجدوں کے ساتھ وابستگی ہے) ابو داؤد کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے سیاحت اختیار کرنے کی اجازت مانگی، آپ ﷺ نے فرمایا ((سِیَاحَۃُ اُمَّتِیَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)) [۲۳] (میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلنا ہے) [۲۴]

اَلرَّاکِعُوْنَ (جو رکوع میں رہتے ہیں) یعنی وہ اپنے روح و دل اور اپنی تمام قوتوں اور اپنے تمام جذبات اور تمام خواہشوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آگے جھک جاتے ہیں۔

اَلسَّاجِدُوْنَ یہ دوسرا مرتبہ ہے۔ ایک مرتبۂ رکوع ہے اور ایک مرتبۂ سجود۔

رکوع صرف جھکنا تھا مگر سجود جھکتے جھکتے اس قدر جھک جانا ہے کہ بے اختیار و مضطر ہو کر زمین پر گر پڑنا اور پیشانی کو گرد و خاکِ ندامت سے آلودہ کر دینا۔ یہ انکسار و عبودیت کا انتہائی مرتبہ ہے۔

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (جو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں) یہ درجۂ عالیہ تمام اوصافِ عظیمہ کے بعد مذکور ہوا۔ یعنی جو صداقت کا حکم دیتے ہیں اور راست بازی و عدالت کی طرف بلاتے ہیں اور لوگوں کو برائیوں سے روکتے اور خدا کی زمین کو نفس و شیطان کی پھیلائی ہوئی ضلالت سے بچاتے ہیں۔

وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ اس سے مقصود وہ جماعت ہے جو دنیا میں شریعت حقہ الٰہیہ کے قیام اور عدل و امن کے نظام کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اور جو حدود و قوانین اللہ تعالیٰ نے قوامِ عالم و امن انسانیت و نظامِ مدنیت صالحہ و حفظ حقوقِ اقوام و ملل کے لئے قائم کر دیئے ہیں' ایک بااختیار سلطان اور ایک مسئول والیٔ ملک کی طرح اُن کی محافظت کرتی ہے۔

مولانا آزاد نے مؤمنین صالحین کے ان آٹھ اوصاف کو آٹھ درجات سے تعبیر کیا ہے جن میں سے ہر درجہ پچھلے سے اعلیٰ و اکمل ہے۔ اور انہی درجات کو انہوں نے حزب اللہ کا دستور العمل قرار دیا ہے۔ مولانا کی اس ترتیب کے مطابق "اَلْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ" حزب اللہ کا آخری مرتبہ اور مقصد حقیقی ہے۔ اور ان مراتب ثمانیہ کو طے کرنے کے بعد اس جماعت کا فرض ختم ہو جاتا ہے۔ یہی قرآن حکیم کے وہ مقرر کردہ مراتب عمل ہیں جن کو حلقۂ حزب اللہ اختیار کرے گا۔ (۲۵)

مولانا آزاد نے مسلمانوں کے قرآنی اوصافِ ثمانیہ کو حزب اللہ کے لئے مراتب عمل قرار دیا ہے اور ان اوصاف یا مراتب میں درجہ بندی ترتیب و تدریج کے ساتھ فرمائی ہے۔ یہ بات قرآن کے طالب علم کو کھٹکتی ہے' کیونکہ ان اوصاف یا مراتب کو بیان کرتے وقت خود قرآن نے کوئی تعقیبی ترتیب قائم نہیں کی ہے کہ پچھلا درجہ یا وصف اگلے درجہ یا وصف کے لئے ناگزیر ہو اور اگلی صفت پچھلی صفت سے اعلیٰ و اکمل ہو۔ اس

لحاظ سے ان اوصاف کو ترتیب وار درجات یا مراتب عمل قرار دینا زیادہ موزوں معلوم نہیں ہوتا۔ ان تمام اوصاف کا تذکرہ بغیر حرفِ عطف واؤ کے ہوا ہے جس کا مطلب ہے کہ ہر مسلمان میں انفرادی و اجتماعی حیثیت میں ان اوصاف کی موجودگی ناگزیر اور مطلوب ہے۔ اسی طرح رکوع اور سجدہ کی دو صفات یہاں بیان ہوئی ہیں، مگر دوسرے مقامات پر قرآن میں صرف رکوع یا صرف سجدہ کا تذکرہ کرکے عبادت و انابت اور خشوع و تبتل کی پوری کیفیت مراد لی گئی ہے۔ اسی طرح اِن اوصاف میں سے بیشتر کا تعلق فرد کی اپنی اصلاح و تربیت سے ہے، مگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے وصف میں قومی اور اجتماعی ذمہ داری واضح کی گئی ہے کہ سچے مؤمن دوسرے انسانوں کے خیر و شر سے بے تعلق ہو کر زندگی نہیں گزارتے، بلکہ دوسرے انسانوں کی اصلاح و تربیت کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔

اس کے بعد مولانا آزاد نے حسب ذیل آیت سے بحث کی ہے :

﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ ﴾ (۳۲)

"پھر پچھلی قوموں کے بعد ہم نے اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو کتاب الٰہی (قرآن) کا وارث ٹھہرایا جن کو ہم نے اپنی خدمت کے لئے اختیار کر لیا (یعنی مسلمانوں کو) پس ان میں سے ایک گروہ تو ان کا ہے جو اپنے نفوس پر (ترکِ اعمال اور ارتکابِ معاصی سے) ظلم کر رہے ہیں، دوسرا ان کا جنہوں نے معاصی کو ترک اور اعمال کو اختیار کیا ہے، پر خدا پرستی اور ترک نفسانیت میں ان کا درجہ درمیانہ اور متوسطین کا ہے۔ تیسرے وہ جو اذنِ الٰہی سے تمام اعمالِ حسنہ و صالحہ میں اوروں سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور یہ خدا کا بہت ہی بڑا فضل ہے"۔

اس آیت میں اللہ نے انسانوں کے تین درجے قرار دیئے ہیں :

① وہ جو اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہیں۔

② درمیانی طبقہ جو غفلت سے متنبہ ہوا۔
③ خیرات و محاسن میں دوسروں سے پیش پیش رہنے والا۔

انسانوں کی اس قرآنی تقسیم کی بنیاد پر مولانا آزاد نے حزب اللہ کے بھی تین درجے قرار دیئے۔

① ہر مسلمان جو راست بازی کا متلاشی، اصلاحِ حال کا متمنی اور اسلام کے اس دورِ غربت میں خدمت و جہاد فی سبیل اللہ کی اپنے دل میں شورش و تپش رکھتا ہے، یعنی ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ سے نکل کر طبقۂ مقتصد میں آنا چاہتا ہے، یہیں سے اس کی آزمائش شروع ہو جاتی ہے۔

② اربابِ اقتصاد کا طبقہ جو اپنے اعمال و افعال سے عہد الٰہی کے ایفاء اور دین حنیفی کے میثاق کی تعظیم کا ثبوت دے۔ اس طبقہ کے لئے امورِ ذیل کی پابندی کا مخلصانہ عہد کرنا ناگزیر ہوگا :

ا) احکامِ شریعت کی تمام ارکان و شرائط کے ساتھ پابندی کرنا۔
ب) صداقت الٰہی کی راہ میں سیر و سیاحت
ج) امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کسی حال میں غافل نہ ہونا۔
د) ہر حکم اسلامی کی اطاعت کے لئے سراپا انتظار رہنا۔

③ سابق بالخیرات اور حافظ لحدود اللہ کا طبقہ، جو اپنے اعمال و افعال سے درجۂ مسابقت اور مرتبۂ علو و رفعت حاصل کر لے۔ یہی طبقہ حزب اللہ کا خلاصۂ مساعی و جہاد اور اس کا اصل حکمراں ہوگا۔(۲۷)

اس کے بعد الہلال کے کئی شمارے حزب اللہ کے سلسلے میں خاموش ہیں۔ ۸ جولائی ۱۹۱۴ء کی اشاعت میں تقریباً ایک سال کے طویل وقفہ کے بعد مولانا نے ایک مفصل اعلان شائع کیا جس سے اس جماعت کی سرگرمیوں پر بھی روشنی پڑتی ہے :

﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ۱۳۳۱ھ

① حزب اللہ کے مختلف مدارج اور جماعتوں میں سے ایک جماعت السَّائِحُوْنَ

الْعَابِدُوْنَ کی ہے جن کا کام یہ ہے کہ تبلیغ وہدایت اور نشرواشاعت تعلیم قرآن و سنّت کے لئے ہمیشہ سفروگردش میں رہیں اور جس جگہ زیادہ ضرورت دیکھیں وہاں ایک روز سے لے کر سالہاسال تک کے لئے اس طرح مقیم ہو جائیں کہ

نشستہ ایم کہ ازما غبار برخیزد

② جو چند طالبانِ حق اس جماعت میں منتخب ہوئے ہیں انہوں نے اپنی سیاحت شروع کر دی ہے۔

③ یہ سیاحت ہندوستان اور بیرونِ ہند دونوں کے لئے ہے' لیکن ہندوستان کو مقدم رکھا گیا ہے اور اسی سے کام شروع کیا گیا ہے۔

④ کن مقامات میں تبلیغ و تعلیم اور احتساب و دعوت کی زیادہ ضرورت ہے؟ اور کن مقامات میں کس قسم کی ضرورتیں مقدم ہیں؟ اس کی نسبت صحیح معلومات حاصل کرنے کے لئے حزب اللہ کے مفتشین سالِ گزشتہ اور سال رواں میں تحقیقات کر چکے ہیں' صرف دو صوبوں کے متعلق رپورٹ کی تکمیل باقی ہے۔ تاہم اس اطلاع کے ذریعہ اعلانِ عام کیا جاتا ہے کہ مختلف مقامات کے باخبر مسلمان اپنی مقامی معلومات کی بناء پر بھی ہمیں اطلاع دے کر دعاۃ و سیاحین طلب فرما سکتے ہیں۔

⑤ جن شہروں' قصبوں اور دیہاتوں میں مسلمانوں کی مذہبی حالت افسوس ناک ہو' اعمالِ دینیہ کی پابندی بالکل مفقود ہو' رسم و رواج' بدعات و روائد' فتنہ و فساد کا نسبتاً زیادہ ظہور ہو' عام اخوت و ہمدردی' مصائب اسلامی کا احساس' جماعتی کاموں کا شوق ناپید ہو' تو ایسے مقامات میں سب سے پہلے دعاۃ کو جانا اور قیام کرنا چاہئے۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ اس طرح کے مقامات کے لوگ ہمیں فوراً اطلاع دیں اور حسب ضرورت ایک یا دو داعی طلب کریں۔

⑥ اس کے علاوہ جن مقامات کے مسلمان اپنے یہاں قرآن کریم کا باقاعدہ درس جاری کرنا چاہتے ہوں' مواعظ و خطبات صحیحہ و صادقہ کے آرزومند ہوں' مجالس میلاد اور عام تقریبات میں سچے اور حقیقی مواعظ کو سننا چاہتے ہوں وہ بھی ہمیں فوراً

اطلاع دیں۔ بحمد اللہ سال بھر کی سعی کے بعد ہم تیار ہیں کہ اپنے پیش نظر معیار سے نسبتاً اقرب اشخاص بھیج سکیں۔

⑦ دعاۃ و سیاحین طلب کرنے کے دو طریقے ہیں : پہلی صورت یہ ہے کہ جن مقامات کے مسلمان انہیں طلب کریں اقلاً ان کے ضروری مصارف کا انتظام خود کرلیں' اور ایسا کرنا مشکل نہیں ہے' صرف ایک محلے کے مسلمان بھی جمع ہو کر چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اکثر مقامات پر اسلامی انجمنیں قائم ہیں اور وہ اتنا روپیہ فراہم کر سکتی ہیں جو ایک دو شخص کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ لیکن اگر اس مقام کے مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں ہے کہ روپیہ کا انتظام ہو سکے یا کوئی انجمن اور جماعت کا رکن موجود نہیں ہے کہ پورا انتظام کر سکے تو اس صورت میں ہمیں اطلاع دینی چاہئے کہ کم از کم اس قدر انتظام وہاں کے مسلمانوں سے ممکن ہے۔ باقی کا انتظام خود جماعت کر لے گی۔ اگر کسی وجہ سے ایسی حالت ہے کہ کچھ بھی انتظام ممکن نہیں ہے' مگر وہاں کام کی ضرورت بھی شدید ہے تو یہ تیسری صورت ہے' اور اس صورت میں متوکلا علی اللہ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم سے بلا توقف خط و کتابت کی جائے۔ ان شاء اللہ تمام مصارف اپنے ذمہ لے کر حسب ضرورت دعاۃ و سیاحین کا انتظام کر دیا جائے گا۔

⑧ حزب اللہ کے لئے کوئی فنڈ قائم نہیں کیا گیا ہے اور نہ اس کے شرکاء سے اب تک کوئی رقم دائمی یا یکمشت طلب کی گئی ہے۔ دنیا پہلے روپیہ مانگتی ہے پھر کام کرتی ہے' لیکن ہمارے نزدیک ترتیب برعکس ہونی چاہئے۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جس طرح روپیہ کاموں کے لئے ضروری ہے اسی طرح سخت و شدید مہلکات و موانع میں سے بھی ہے۔ ہم ابتداء سے اس کام کو آج کل کی انجمنوں اور مجلسوں کے عام قواعد و رسوم سے بالکل الگ ہو کر کر رہے ہیں اور ہمارے پیش نظر اپنے گزشتہ اور بھلائے ہوئے نمونے ہیں۔ ؎

لب تشنگی زراہ دیگر بردہ ایم ما

⑨ ہم مختصراً یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ ان دعاۃ و سیاحین کا کام کیا ہو گا۔ کیونکہ اب تک اس کا کوئی نمونہ قوم کے سامنے نہیں آیا ہے' بہت ممکن ہے کہ وہ "وعظ و تعلیم" اور "تبلیغ و دعوت" کے نام سے کسی غلطی میں پڑ جائے۔

یہ محض وعظ فروشی کی بساطِ تجارت بچھانے والا کوئی گروہ نہ ہو گا جو چند دنوں کے لئے ایک دکاندارانہ دورہ کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں' بلکہ دعاۃ و سیاحین سے مقصود ایسے اربابِ صدق و خلوص ہیں جو ان شاء اللہ اپنے کاموں اور اپنی سچی اور راست بازانہ زندگی میں قوم کے لئے ایک نمونہ ثابت ہوں گے۔ وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کا گروہ ہے جس نے اپنی تمام بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ دُنیوی اُمیدوں' توقعات اور تعلقات سے کنارہ کش ہو کر اور لذائذ و نعائم حیات کی امنگوں اور خواہشوں سے دل کو صاف کر کے اپنی پوری زندگی خدمت دین و ملت کے لئے وقف کر دی ہے اور اللہ اور اس کے ملائکہ مقربین کو اپنی قربانی اور جاں فروشی کے عہد و میثاق کا گواہ قرار دیا ہے۔ وہ نہ تو دنیا کے طالب ہو سکتے ہیں اور نہ دُنیوی عزو جاہ کے خواستگار' نہ آرام و راحت کے متلاشی ہو سکتے ہیں نہ عمدہ بستروں اور لذیذ و قیمتی غذاؤں کے آرزومند' کیونکہ ان تمام چیزوں کو وہ پیچھے چھوڑ آئے ہیں' اگر اِن چیزوں کے وہ طالب ہوتے تو خود بخود کیوں چھوڑ دیتے؟ وہ اللہ کی رضا اور اس کے کلمۂ حق کی خدمت کی راہ میں سیر و سیاحت کریں گے' اور تمام دقتیں اور مصیبتیں جو اس راہ میں پیش آئیں گی انہیں خوشی خوشی برداشت کریں گے' کیونکہ یہی وہ کانٹے ہیں جن کی تلاش میں انہوں نے پھولوں کو چھوڑا ہے اور یہی وہ درد و بے قراری ہے جس کی محبت میں انہوں نے آرام و راحت کی زندگی کو اس کے دشمنوں کی طرح ٹھکرا دیا ہے۔

وہ فقیروں کی طرح نکلیں گے' دیوانوں کی طرح آوارہ گردی کریں گے اور جہاں کہیں ٹھہریں گے خاکساروں کی طرح ٹھہریں گے۔ نہ تو وہ کسی سے نذر و نیاز لیں گے اور نہ کسی پر ایک کا بار ڈالیں گے۔ ضرورت کے مطابق ان کے کام ہوں گے۔ وہ قرآن کریم کا درس دیں گے' حدیث نبوی کی تعلیمات بیان کریں گے' عام دینی مسائل و معتقدات

سے لوگوں کو باخبر کریں گے۔ تعلیم یافتہ اصحاب کے مذہبی شکوک اور موجودہ عہد کے اعتقادات و اعمالِ الحادیہ کی اصلاح کریں گے۔ عام مجلسوں میں' انجمنوں میں' مسجدوں میں ایک واعظ کی طرح جائیں گے۔ ذکر و میلاد کی مجلسوں میں مولود پڑھیں گے۔ مساجد کی جماعات و جمعہ کا صحیح و شرعی انتظام اور اس سے ہر طرح کے فوائد و نتائج کا حاصل کرنا ان کا ایک بہت بڑا کام ہو گا۔

صرف انہی کاموں تک ان کی ہمت ختم نہیں ہو جائے گی' بلکہ ضرورت پڑے گی تو وہ بیماروں کے شب باش تیماردار' ضعیفوں کے بلاعذر خادم' مسجدوں کے لئے بلا تنخواہ کے خطیب و مؤذن' بچوں کے مفت کے معلم' غرضیکہ ہر حال میں مسلمانوں کے خادم اور مخدوم دونوں ہوں گے اور ہر خدمت کو انجام دینے کے لئے مستعد رہیں گے۔

یہ تو ان کے کاموں کی ایک مختصر سی تفصیل تھی۔ جامع لفظوں میں ان کا مقصد یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دینی معتقدات و اعمال کی اصلاح و درستگی اور انہیں اعتقاداً و عملاً ایک سچا مسلمان' راسخ الاعتقاد مؤمن اور اولوالعزم و بلند ارادہ مجاہد فی سبیل اللہ بنانے کی سعی کرنا اور مسلمانوں کے عام طبقات کے اندر وہ تمام معلومات ضروریہ اپنے وعظ و بیان سے پیدا کر دینا جو ایک عالم و صاحب علم' صاحب فضل شخص کو از روئے علم و کتاب حاصل ہیں۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگ مختلف مقامات میں رہ جائیں اور عرصے تک کے لئے اسی طرح مقیم ہو جائیں گویا وہی ان کا گھر ہے اور وہیں ان کو آخر تک بسنا اور زندگی گزارنا ہے۔ سلف صالحین کے داعیوں کا یہی اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ محض ادعائی واعظوں کی چند روزہ گشتوں اور دوروں سے نہ تو کبھی کوئی اثر پیدا ہوا ہے اور نہ کسی گروہ کے اندر اس سے کوئی تبدیلی پیدا ہو گی۔ تبدیلی تعلیم سے پیدا نہیں ہوتی' بلکہ ان چیزوں سے حاصل ہوتی ہے جن کے لئے محض شریعت کے بھیج دینے کی جگہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے ظہور و قیام کو اللہ نے ضروری قرار دیا تھا۔

پس وہ اپنے تمام تعلقات و محبوبات سے بے پروا ہو کر خدمت اسلام و مسلمین کے

رشتہ کو ترجیح دیں گے اور ایک روز سے لے کر سالہاسال تک کے لئے مقیم ہو جائیں گے' تاآنکہ ان کی خدمات کے قابل اطمینان نتائج پیدا ہو جائیں اور مزید قیام کی ضرورت باقی نہ رہے۔

ان کا طریقِ درسِ قرآن و سُنّت و عمومِ تعلیم و تبلیغ انہی اصولوں کے ماتحت ہو گا جو دعوت الہلال کے اصل الاصول ہیں۔(۲۸)

الہلال کے اس تفصیلی اعلان سے جماعت حزب اللہ کے دستور العمل' طریقہ کار اور سرگرمیوں پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے یہ نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں کہ :

① جماعت حزب اللہ ایک دینی و اصلاحی تحریک تھی۔ اس کا اصل کردار احیاء و تجدید دین کا کردار تھا۔ مولانا آزاد اس تحریک کے ذریعہ مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو قرآن و سُنّت کی راہ پر گامزن کرنا چاہتے تھے۔ جماعت حزب اللہ پر وقتی و عارضی سیاست کی چھاپ لگانا اور اسے محض تحریک آزادی کی عینک سے دیکھنا صریح ناانصافی ہے۔(۲۹) جن قلم کاروں نے جماعت حزب اللہ کے تئیں یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کا بنیادی مقصد استخلاصِ وطن کی خاطر مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف متحد اور مجتمع کرنا تھا اور یہ کہ اس پلیٹ فارم سے مولانا آزاد علماء کو مذہب کے نام پر اکٹھا کرنا چاہتے تھے' تاکہ وہ سیاسی محاذ پر مجاہدین وطن کے ہاتھوں کو مضبوط کر سکیں' ان لوگوں نے عدل اور راست بازی سے کام نہیں لیا ہے۔ یہ لوگ دراصل حزب اللہ کے آفاقی پیغام اور اس کے مستقل اسلامی کردار پر سیکولرزم کا لیبل لگا کر سرخ رو ہونا چاہتے ہیں۔

② گاؤں گاؤں اور بستی بستی گشت کرنے اور عوامی مسائل و حالات سے واقف ہو کر ان کی اصلاح کرنے کا فریضہ تحریک کے کارکنوں کے سپرد تھا۔ یہ کوئی وقتی اور عارضی اُبال نہ تھا' بلکہ مدتوں کے غور و فکر اور بحث و تحقیق کا ماحصل تھا۔ مولانا آزاد کے نزدیک احیاءِ اسلام کی یہی واحد راہ تھی۔

③ مولانا نے کوئی نیا طریق عمل' نظام کار نہیں دیا' بلکہ جن اداروں سے مسلمان

معروف و مانوس تھے انہی کو اپنے مقاصد و مفاہیم کی تبلیغ کے لئے استعمال کیا' یعنی درسِ قرآن و حدیث' مواعظ و خطباتِ صحیحہ' جماعت و جمعہ' عیدین اور مجالس میلاد و تقریبات کے ذریعہ تفہیم و ترسیل۔

④ حزب اللہ نے عوامی چندہ کی مہم نہیں چلائی' بلکہ جماعتی مسائل و مصارف کو مخلص کارکنوں کے جذبۂ انفاق سے پورا کرنے کا منصوبہ بنایا۔

⑤ جماعت نے پورے ایک سال تک دعاۃ و سیاحین کی تربیت کی اور انہیں پیش نظر مقاصد کے حصول کے لئے تیار کیا۔ اس تربیت و تیاری کے مراحل کیا تھے' کیا ذرائع و وسائل اختیار کئے گئے اور اس تربیت کا خاکہ' نصاب اور نظام کیا تھا' سب پردۂ راز میں ہیں۔

⑥ حزب اللہ کا ایک منصوبہ مختلف مقامات اور آبادیوں میں مستقل دعاۃ اور مبلغین کو آباد کرنا تھا' تاکہ ان کے دیرپا اثرات معاشرہ پر مرتب ہو سکیں۔ (۳۰)

الہلال کے اگلے شمارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کلکتہ سے ہٹ کر مضافاتی علاقہ میں ایک مرکزی دفتر "دارالجماعۃ" کی بنیاد بھی ڈال دی گئی تھی' کیونکہ ایک مرکزی دارالجماعۃ کی تاسیس حزب اللہ کے تمام کاموں کی تکمیل کے لئے ضروری تھی' اس کے بغیر نہ تو جماعت کے مختلف مدارج کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو سکتا تھا اور نہ اخوان جماعت کی مجتمعہ مجاہدات کا سلسلہ شروع ہو سکتا تھا۔ (۳۱) مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ اتنے بڑے منصوبہ کی تکمیل کے لئے مولانا آزاد نے عوام سے اعانت کی اپیل نہ کی' کیونکہ "انجمنوں کے چندوں اور ممبری کی فیس کے روپیوں سے کالج بن سکتے ہیں' اور لوگوں کو اسکولوں کے بورڈنگ ہاؤسوں میں کرایہ دے کر رکھوایا جا سکتا ہے' لیکن دین کی خدمت نہیں ہو سکتی۔ خدا کے کاموں کے لئے صرف خدا کے بخشے ہوئے جوش اور دل کے خود بخود اٹھے ہوئے ولولوں ہی کی ضرورت ہے' چندوں کی فہرستوں کی رقمیں دل کا ولولہ اور قربانی کا عزم کہاں سے لائیں گی؟" (۳۲)

الہلال ہی کی فائلوں سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ شہر کے مشرقی کنارے پر

ایک غیر آباد قطعۂ زمین حاجی مصلح الدین صاحب نے وقف کیا۔ حاجی صاحب مولانا آزاد کے قدیم نیازمندوں میں سے تھے۔ انہوں نے نہ صرف ایک وسیع و عریض علاقہ دارالجماعۃ کی تاسیس کے لئے وقف کیا بلکہ اس کی عمارتوں میں سے ایک عمارت دارالارشاد کے تمام مصارف بھی انہوں نے اپنے ذمے لئے۔ اس عمارت کے بنیادی پتھر کی تنصیب حاجی صاحب کے ہاتھوں ماہِ رمضان میں افطار کے وقت سے ذرا پہلے عمل میں آئی۔ جو کاغذات بطور آثارِ اساس کے بنیاد میں رکھے گئے ان میں ایک بوتل کے اندر سورۂ حج کی آیت ۷۸ اور سورہ یونس کی آیات ۸۵ تا ۸۸ بھی تھیں۔

دارالارشاد کے بالکل سامنے ایک وسیع مسجد کی تعمیر بھی اسی سال مکمل ہو گئی۔ مولانا آزاد کا ارادہ تھا کہ دارالارشاد کے ساتھ ہی ایک کتب خانہ کی عمارت بھی تعمیر کرائیں گے اور اپنے ذاتی کتب خانہ کے دونوں جانب مسلسل کمروں کی قطاریں رکھنے کا منصوبہ تھا جن میں سامنے برآمدے، عقب میں غسل خانے اور وسط میں ایک کشادہ کمرے کی گنجائش رکھی گئی تھی جس میں کئی سو آدمیوں کی رہائش کا انتظام ہو سکتا تھا۔ یہ مولانا کی فوری منصوبہ بندی تھی جس پر عمل درآمد جماعت کے تربیتی و تنظیمی کام کے آغاز کے لئے ضروری تھا۔ (۳۳)

جماعت حزب اللہ کے مخاطب مرد اور عورت دونوں تھے۔ آرہ (بہار) کی ایک خاتون صالحہ بنت سید محمد صالح مرحوم نے اس کی دعوت کی تائید کرتے ہوئے فرقہ نسواں کی شرکت و شمولیت کے متعلق استفسار کیا اور اس راہ کی ایک رکاوٹ پردہ کا بھی ذکر کیا تو مولانا آزاد نے انہیں جواب دیا کہ حزب اللہ کا مقصد مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنانا ہے اور اسلام مرد و عورت دونوں کیلئے آیا ہے، اس لئے جماعت کی رکنیت کیلئے بھی مرد اور عورت میں تفریق نہیں ہو سکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کے تمام بڑے انقلابات کے پس پشت جنس مخالف کی کارفرمائی صاف دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ طبقہ گھروں کے اندر رہ کر وہ عظیم الشان تبدیلیاں پیدا کر سکتا ہے جو باہر کے مجمعوں اور مجلسوں میں بڑے بڑے واعظین و مصلحین نہیں کر سکتے۔ مولانا آزاد نے اس جواب میں یہ اطلاع بھی دی کہ

مقامی خواتین کے علاوہ دُور دراز کی بیگمات و خواتین بھی پارٹی میں شامل ہونے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ رہا پردے کا سوال تو اس کو اس مسئلے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ خدا کا ہر بندہ اپنی جگہ پر رہ کر اپنے خدا سے مل سکتا ہے' اس کیلئے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۳۴)

الہلال کی فائلوں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جماعت کی توسیع ملک کے مختلف صوبوں میں ہوئی یا نہیں' اور اگر ملک کے مختلف حصوں میں اس دعوت کے اثرات رونما ہوئے تو تنظیمی ڈھانچہ کس طرح استوار ہوا۔ تاہم مولانا آزاد کی زندگی اور خدمات پر کام کرنے والے محقق جناب ابو سلمان شاہجہاں پوری کے ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف صوبوں میں جماعت کی تنظیم کچھ اس طرح تھی :

① پنجاب میں مولانا داؤد غزنوی' مولانا عبداللہ قصوری اور مولانا محی الدین قصوری مولانا آزاد کے خلفائے مجاز اور جماعتی امور کے ذمہ دار تھے۔

② سندھ میں پیر سید تراب علی شاہ راشدی مولانا کے خلیفہ مجاز اور تنظیم کے سربراہ تھے۔

③ یوپی میں مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی لکھنؤ کو مرکز بنا کر کام کر رہے تھے۔

④ صوبہ بنگال میں صدر مقام کلکتہ تھا جہاں خود مولانا کی ذات موجود تھی۔

⑤ صوبہ بہار میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد مرحوم تنظیم جماعت اور امارتِ شرعیہ کے قیام کے لئے متعین کئے گئے تھے۔

فاضل محقق نے مولانا آزاد کے چند مریدوں کے نام بھی شمار کرائے ہیں' جیسے خواجہ عبدالحئ فاروقی' مستری محمد صدیق کپورتھلہ' صوفی غلام مصطفیٰ تبسم امرتسر' شیخ قمرالدین لاہور' مولانا غلام رسول مہر اور مولوی محمد یونس خالدی لکھنؤ۔ (۳۵)

الہلال کے مطالعہ اور جماعت حزب اللہ کے اغراض و مقاصد اور طریقہ کار سے اتفاق و اطمینان کے بعد جب کوئی شخص احکامِ شرع کے مطابق زندگی بسر کرنے اور نظم جماعت کی پابندی کرنے کا عہد کرتا تھا تو مولانا آزاد اُس سے سُنّت نبویؐ کے مطابق عہد لیتے تھے جس میں پوری شریعت کی مخلصانہ پیروی اور خدا کی رضا کے آگے اپنی خواہشات

کو قربان کر دینے کی بیعت شامل ہوتی تھی۔ مولانا غلام رسول مہر نے مولانا آزاد کا وہ پیغام شائع کر دیا ہے جو انہوں نے ۱۹۲۱ء میں عزیزانِ پنجاب کے نام جاری کیا تھا۔ اس تحریر سے بیعت کا پورا مسودہ سامنے آجاتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں :

"جن عزیزوں نے گزشتہ سال یا امسال یا اس سے پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان سب کی اطلاع کے لئے میں یہ سطریں شائع کرتا ہوں۔ انہوں نے میرے ہاتھ پر پانچ باتوں کا عہد کیا ہے :

اول ـــــ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور توصیۂ صبر کا، یعنی ہمیشہ نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے روکیں گے، صبر کی وصیت کریں گے۔

ثانیاً ـــــ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ کا، یعنی اس دنیا میں ان کی دوستی ہوگی تو اللہ کے لئے اور دشمنی ہوگی تو اللہ کے لئے۔

ثالثاً ـــــ لَایَخَافُوْنَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ کا، یعنی سچائی کے راستے میں وہ کسی کی پروانہ کریں گے اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں گے۔

رابعاً ـــــ اس بات کا کہ اللہ اور اس کی شریعت کو دنیا کے سارے رشتوں، ساری نعمتوں اور ساری لذتوں سے زیادہ محبوب رکھیں گے۔

خامساً ـــــ اطاعت فی المعروف کا، یعنی شریعت کے ہر حکم کی اطاعت بجا لائیں گے جو ان تک پہنچایا جائے گا۔

میں ان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ یہ ان کا قول تھا اور اب چاہئے کہ اپنے عمل سے بھی اس کی پوری تصدیق کریں اور کامل انقطاع اور راست بازی کے ساتھ اپنے تئیں اللہ کے سپرد کر دیں۔ ان کا یہ عہد مطالبہ کرتا ہے کہ حسب ذیل باتیں ان کی روزانہ کی زندگی میں نمایاں ہو جائیں اور ہر شخص ان کو اُن کی خصلتوں اور طریقوں کی وجہ سے ممتاز دیکھ لے۔

① ولایتی کپڑوں کا خریدنا، بیچنا، پہننا، پہنانا یک قلم ترک کر دیں اور دیسی کھدر کا لباس اختیار کر لیں۔

② اسلامی خلافت اور بلادِ اسلامیہ کی حفاظت ہندوستان کی آزادی پر موقوف ہے۔ پس جہاں تک ان کے امکان میں ہے اپنے دل سے، اپنی زبان سے، اپنے مال سے، اپنے عمل سے اس کام میں مدد دیں۔

④ کسی مسلمان سے اپنے دل میں کینہ وعداوت نہ رکھیں' اگرچہ وہ اُن کا کیسا ہی دشمن ہو۔ تمام مسلمانوں سے صلح و محبت کا برتاؤ کریں اور اپنی جانب سے کسی مسلمان کے خلاف قدم نہ اٹھائیں۔ دوسرا اٹھائے تو جہاں تک بھی ان کے امکان میں ہو بخش دیں۔ کسی طرح بھی اپنے وجود کو تفریق کا سبب نہ بنائیں۔

⑤ احکام و مصالح شرعیہ کے مطابق ہندوؤں سے ہمارا اتحاد ہے۔ پس کامل اتفاق اور سازگاری کے ساتھ رہیں اور ان کی جانب سے اپنے دل میں کسی طرح کی کھوٹ نہ رکھیں اور کوئی بات لڑائی جھگڑے کی ایسی نہ کریں جس سے اتحاد کو نقصان پہنچے۔

تمام احکام وارکانِ اسلام کی پابندی اور ٹھیک ٹھیک بجاآوری ان چار باتوں کے علاوہ ہے اور ان سے مقدم ہے اور ان کی بابت وہ بیعت کرتے ہوئے سب سے پہلے عہد کر چکے ہیں۔

جو مسلمان مجھ سے اپنی بیعت کا رشتہ قائم رکھنا چاہتا ہے اس کا فرض ہے کہ ان باتوں پر کاربند ہو۔ جس نے اس پر عمل نہ کیا اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔"(۳۶)

دوسری تحریر بیعت کے وہ الفاظ ہیں جو مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کو مولانا آزاد نے لکھ کر دیئے تھے۔ اس سے بھی اس تحریک کی دینی و اسلامی روح نکھر کر سامنے آتی ہے :

"اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاٰمَنْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَبِمَا جَآءَ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَسْلَمْتُ وَاَقُوْلُ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ

بیعت کرتا ہوں میں محمد ﷺ سے بواسطہ خلفاء و نائبین کے اس بات پر کہ :

① اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں تک لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ کے اعتقاد و عمل پر قائم رہوں گا اگر استطاعت پائی۔

② پانچ وقت کی نماز قائم رکھوں گا' رمضان کے روزے رکھوں گا' زکوٰۃ اور حج

ادا کروں گا اگر استطاعت پائی۔

③ ہمیشہ زندگی کی ہر حالت میں نیکی کا حکم دوں گا' برائی کو روکوں گا' صبر کی وصیت کروں گا۔

④ میری دوستی ہوگی تو اللہ کی راہ میں اور دشمنی ہوگی تو اللہ کی راہ میں۔

⑤ اور بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ ہمیشہ زندگی کی ہر حالت میں اپنی جان سے' اپنے مال سے' اپنے اہل و عیال سے' دنیا کی ہر نعمت اور دنیا کی ہر لذت سے زیادہ اللہ کو' اس کے رسول کو' اس کی شریعت کو' اس کی امت کو محبوب رکھوں گا اور اس کی راہ میں جو حکم کتاب و سنّت کے مطابق دیا جائے گا سمع و طاعت کے ساتھ اس کی تعمیل کروں گا۔"(۳۷)

جماعت حزب اللہ آئینی اور جمہوری طریقۂ کار پر یقین رکھتی تھی۔ الہلال کے ایک قاری کے سوال کے جواب میں مولانا آزاد نے واضح کر دیا تھا کہ نہ تو حکومت کی کاسہ لیسی جائز ہے نہ انتہاپسندوں کی خوں ریزی اور فتنہ و فساد کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ ایک شخص اگر مسلمان ہے تو وہ فتنہ و فساد اور بغاوت کا مجرم نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام ہر شخصی جبر و استبداد کا مخالف ہے اور اپنے پیروؤں کو جائز آزادی حاصل کرنے کے لئے ہر وقت حرکت میں دیکھنا چاہتا ہے۔ (۳۸) تاہم مولانا آزاد نے ایک دوسرے موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ سے یہ نکتہ بھی نکالا تھا کہ "احیائے صداقت اور اقامت حق اور عدل کے لئے مخفی تدابیر بھی کرنی پڑتی ہیں' پوشیدہ طور پر کید و تدبیر سے بھی کام لینے کی حاجت پڑتی ہے اور اس مدعا کے لئے یہ تمام باتیں جائز و درست بلکہ ضروری و لازم العمل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت خانے میں کیا کیا تھا؟"(۳۹)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جمہوری و آئینی طریق کار کو اختیار کرنے کے باوجود اس بات کی گنجائش بہرحال رکھی گئی تھی کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِنِّیْ سَقِیْمٌ (میں بیمار ہوں) کہہ کر توریہ سے کام لیا تھا اور بعد میں چپکے سے بت کدہ میں گھس کر بتوں کو پاش پاش کر دیا تھا اور بڑے بت کے گلے میں لٹکتی ہوئی کلہاڑی چھوڑ آئے تھے' اسی طرح جماعت حزب اللہ بھی بوقت ضرورت خفیہ تدابیر اور کید و مکر سے کام لے سکے۔

جماعت حزب اللہ سے متعلق ان تفصیلات کو دیکھ کر یہ کہنا مبالغہ آمیز نہ ہو گا کہ یہ ہندوستان میں بیسویں صدی کی وہ پہلی اسلامی تحریک تھی جس نے رجوع الی القرآن کی مہم چلائی' اصلاح و تجدید ملت کا نصب العین مسلمانوں کے سامنے روشن کیا' اسلام کی جامع اور مکمل تعلیمات کو مشعل راہ بنانے پر زور دیا اور مذہب و سیاست کو یکجا کر کے تحریک آزادی میں شمولیت کے ساتھ احیائے اسلام کی مختلف منازل و مراحل کے چراغ روشن کیے۔ لیکن یہ سوال آج بھی اطمینان بخش جواب کا طالب ہے کہ قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود تحریک آزادی میں قائدانہ کردار ادا کرنے والے رہنمانے حزب اللہ کی بساط کیوں لپیٹ کر رکھ دی اور تجدید و احیائے دین کے اس عظیم الشان اور تابناک باب کو کیوں بند کر دیا[1]؟ اس المناک صورتِ حال کا جو تجزیہ بھی پیش کیا جائے اس حقیقت سے صرفِ نظر کرنا مشکل ہے کہ بعد میں ہندوستانی مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے اٹھنے والی ہر تحریک اسلامی پر حزب اللہ کے کم و بیش اثرات مرتسم ہیں۔ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۳ھ-۱۳۶۳ھ) کی جماعت تبلیغ ہو یا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۰۳ء-۱۹۷۹ء) کی قائم کردہ جماعت اسلامی دونوں اپنے پیغام' نصب العین اور طریق کار میں حزب اللہ سے متاثر نظر آتی ہیں۔ اس لئے جناب مالک رام کی یہ بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے کہ :

"مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں' کوئی اسے مانے یا نہ مانے' کہ یہ الہلال کی دعوت کا اثر تھا اور الہلال ہی نے وہ زمین تیار کی تھی جس پر بعد کو جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت نے اپنی اپنی عمارت کھڑی کی۔ افسوس ہے کہ یہ موضوع آج تک تشنۂ تحقیق ہے۔ تقابلی مطالعے سے دیکھنا چاہئے کہ جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کے

---

[1] فاضل مضمون نگار نے یہاں جو سوال اٹھایا ہے اس کا انتہائی اطمینان بخش جواب امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے مضمون "مولانا ابو الکلام آزاد' جمعیت علماء ہند اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ" میں موجود ہے' جو اولاً میثاق ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا اور اب محترم ڈاکٹر صاحب کی تالیف "جماعت شیخ الہندؒ اور تنظیم اسلامی" کے باب دوم "حضرت شیخ الہندؒ' مولانا ابوالکلام آزاد اور مسئلہ انتخاب و بیعتِ امام الہند" میں شامل ہے۔ (ادارہ میثاق)

طریق کار اور مقاصد نے الہلال کی دعوت سے کس حد تک فائدہ اٹھایا۔ مطالعے کے دوران میں انحراف اور رد و بدل کے پہلو بھی سامنے آسکتے ہیں' لیکن اس سے نہ الہلال کی دعوت کی اہمیت کم ہوتی ہے نہ ان تحریکوں کی اس سے متاثر ہونے کی تغلیط۔"(۴۰)

تعلیقات و حواشی

۱۔ مقالاتِ الہلال' ادبستان لاہور' ۱۹۵۵ء' ص ۹۷' ۹۸ نیز ۱۳۹' ۱۴۰

۲۔ خطباتِ آزاد' مرتبہ مالک رام' ساہتیہ اکادمی نئی دہلی' ص ۲۷

۳۔ البلاغ ۱۷ مارچ' ۲۴ مارچ اور ۳۱ مارچ ۱۹۱۶ء کا مشترکہ شمارہ

۴۔ الہلال' جلد اول' شمارہ ۲۳' ۱۸ دسمبر ۱۹۱۲ء' ص ۶

۵۔ نفس مصدر' جلد اول' شمارہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء' ص ۷' ۸

۶۔ مثال کے طور پر مولانا محمد حسین بٹالوی (۱۸۴۰ء۔۱۹۲۰ء) نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد فارسی زبان میں تصنیف فرمایا اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع کرائے۔ مولانا مسعود عالم ندوی کے بقول پوری کتاب تحریف و تلبیس کا نمونہ ہے۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک' دہلی ۱۹۸۱ء' ص ۲۰' ۲۱

۷۔ اس نکتۂ نظر کی وضاحت کے لئے سرسید احمد خاں مرحوم (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) کی تفسیر القرآن دیکھئے۔ رفاہِ عام پریس' لاہور' جلد اول' ص ۲۵۳' ۲۵۴' سورۂ بقرہ آیت ۱۸۶ کی تشریح

۸۔ الہلال' جلد اول' شمارہ ۱۶' ۱۷' ۶ نومبر ۱۹۱۲ء ص ۳

۹۔ نفس مصدر' جلد دوم' شمارہ ۱۶' ۲۳/ اپریل ۱۹۱۳ء' ص ۲۵۷۔۲۵۸

۱۰۔ نفس مصدر' جلد دوم' شمارہ ۱۷' ۳۰/ اپریل ۱۹۱۳ء' ص ۳۱۳

۱۱۔ نفس مصدر' جلد دوم' شمارہ ۱۸' ۲ مئی ۱۹۱۳ء' ص ۳۱۳

۱۲۔ نفس مصدر' جلد دوم' شمارہ ۱۹' ۱۴ مئی ۱۹۱۳ء' ص ۳۱۳

۱۳۔ نفس مصدر' جلد دوم' شمارہ ۲۲' ۴ جون ۱۹۱۳ء' ص ۳۷۴

۱۴۔ مثال کے طور پر الہلال کی مندرجہ ذیل اشاعتیں دیکھئے : جلد ۳ شمارہ ۱۵' ۲ جولائی ۱۹۱۳ء' ص ۷' جلد ۲' شمارہ ۲۵' ۲۵ جون ۱۹۱۳ء' ص ۴۳۹' جلد ۳' شمارہ ۲' ۹ جولائی ۱۹۱۳ء' ص ۲۶

۱۵۔ اس لئے پروفیسر مشیرالحق کے اس اظہارِ شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ ہمارے پاس اس بات کا پتہ چلانے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے کہ آیا اغراض و مقاصد پر مشتمل کوئی رسالہ شائع ہوا اور ممبروں کے پاس بھیجا گیا یا نہیں۔ دیکھئے مضمون حزب اللہ۔ مولانا آزاد کی انقلابی

کتابِ حیات کا ایک ورق' ایوانِ اردو دہلی' مولانا ابوالکلام آزاد نمبر' جلد ۲' شمارہ ۸' دسمبر ۱۹۸۸ء' ص ۹۶۔۱۰۴

۱۶۔ قرآن کریم' بنی اسرائیل : ۸۰

۱۷۔ قرآن کریم' الاحزاب : ۲۱

۱۸۔ قرآن کریم' الممتحنہ : ۴

۱۹۔ قرآن کریم' التوبہ : ۱۱۲

۲۰۔ ابن منظور افریقی' لسان العرب' ج ۲' ص ۴۹۲' بیروت ۱۹۵۵ء

۲۱۔ حوالہ دستیاب نہیں ہو سکا۔

۲۲۔ حوالہ دستیاب نہیں ہو سکا۔

۲۳۔ سنن ابوداؤد' کتاب الجہاد' ۶

۲۴۔ مولانا امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' جلد سوم' فاران فاؤنڈیشن' لاہور ۱۹۸۶ء' ص ۶۴۶' ۶۴۷

۲۵۔ الہلال' جلد سوم' شمارہ ۲۳' ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء' ص ۴۲۱۔۴۲۳

۲۶۔ قرآن کریم' فاطر : ۳۲

۲۷۔ الہلال' جلد سوم' شمارہ ۲۳' ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء' ص ۴۲۴

۲۸۔ نفس مصدر' جلد پنجم' شمارہ ۲' ۸ جولائی ۱۹۱۴ء' ص ۲۸' ۲۹

۲۹۔ اس نقطۂ نظر کی بھرپور ترجمانی کے لئے پروفیسر مشیرالحق کا مضمون دیکھئے : حزب اللہ —— مولانا آزاد کی انقلابی کتاب حیات کا ایک ورق' حوالہ بالا' ص ۹۶۔۱۰۴

۳۰۔ عبیداللہ فہد فلاحی' سیاست الہلال اور ہندوستانی مسلمان' ہلال پبلی کیشنز' کلکتہ ۱۹۹۰ء' ص ۱۳۷۔۱۳۹

۳۱۔ الہلال' جلد پنجم' شمارہ ۵' ۲۹ جولائی ۱۹۱۴ء' ص ۸۹

۳۲۔ نفس مصدر' ص ۸۹

۳۳۔ نفس مصدر' ص ۹۱' ۹۲

۳۴۔ نفس مصدر' جلد دوم' شمارہ ۲۱' ۲۸ مئی ۱۹۱۳ء' ص ۳۶۷

۳۵۔ ماہنامہ برہان دہلی' ستمبر ۱۹۷۰ء' ص ۱۶۳' ۱۶۵

۳۶۔ مولانا غلام رسول مہر' نقش آزاد' لاہور' دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۶ء' ص ۳۴۳۔۳۴۵

۳۷۔ عبدالرزاق ملیح آبادی' ذکر آزاد' کلکتہ' ۱۹۶۰ء' ص ۲۵' ۲۶

۳۸۔ الہلال' جلد اول' شمارہ ۳' ۲۷ جولائی ۱۹۱۲ء' ص ۲

۳۹۔ نفس مصدر' جلد سوم' شمارہ ۵' جولائی ۳۰' ۱۹۱۳ء ص ۸۴

۴۰۔ ایوانِ اردو' دہلی میں مالک رام کا مضمون "ابوالکلام آزاد۔ کچھ کرنے کے کام" جلد ۲' شمارہ ۸' دسمبر ۱۹۸۸ء' ص ۱۰' ۱۱ (یہ مقالہ اُردو اکیڈمی گجرات کے سیمینار منعقدہ ۱۱۔۱۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء گاندھی نگر میں شرکت کی دعوت پر لکھا گیا)

قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر

معروف سعودی دانشور ڈاکٹر سفر الحوالی کی تہلکہ خیز کتاب کی سلسلہ وار اشاعت ـــــ قسط دوم

نصاریٰ پر یہودی عقائد کا غلبہ

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو یہودیوں کا ہم نوا بننے کی کیا ضرورت ہے؟ ہونا تو یہ چاہئے کہ عیسائی مسلمانوں کے ساتھ ہوتے' کیونکہ عیسائی عقیدہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھانے والے یہودی ہیں' البتہ ہمارا عقیدہ تو واضح ہے ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ مگر عیسائی تو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کے نبی کو قتل کرنے والے اور حواریوں کو اذیت میں مبتلا کرنے والے یہودی ہیں۔ اور اوّلین عیسائیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے والے بھی یہی ہیں۔

جبکہ دوسری طرف یہودی عیسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا اور فریبی سمجھتے ہیں اور نزولِ مسیح کے بھی قائل نہیں۔ یہودیوں کے خلاف عیسائیوں کا مسلمانوں کی طرف جھکاؤ یقیناً معقول رویہ ہوتا' مگر یہودیوں نے اپنے مکر و فریب' چالاکی و دھوکہ بازی سے اور عیسائیوں کی ناسمجھی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں اپنا ہم نوا بنالیا ہے اور یہ موقع یوں کہہ کر نکال لیا کہ ہم دونوں یہود و نصاریٰ ایک ہی کتاب کے پیروکار ہیں' یعنی کتابِ مقدس۔

آپ جانتے ہیں کہ کتابِ مقدس دو حصوں پر مشتمل ہے۔

عہدِ قدیم (Old Testament) جو دراصل تورات ہے اور عہد نامہ جدید (New Testament) ـــــ مذکورہ بالا موضوعات اپنی طوالت کے ساتھ عہد نامہ قدیم میں آتے ہیں' جس کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ کتابِ مقدس پڑھنے والا اپنی ابتداء تورات سے کرتا ہے اور سب سے پہلے مذکورہ بالا موضوعات اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ مبتدی کے ذہن میں واضح ہو جاتے ہیں' جس کے نتیجے میں اس کا وہی عقیدہ بنتا ہے جو یہودیوں کا

اپنا عقیدہ ہے۔ عیسائیوں کی مسلمانوں کے ساتھ نہ ملنے کی ایک وجہ تو یہ ہے' اور دوسری وجہ قرآن مجید میں آتی ہے اور وہ اہلِ کتاب کا اُمتِ محمدیہ کے ساتھ حسد ہے جو اُن کی گھٹی میں پڑا ہے۔ قرآن کی رو سے عیسائی حقیقت کو جانتے ہیں۔ نجاشی کے اسلام لانے سے بھی پوری طرح آگاہ ہیں' انہیں معلوم ہے کہ ہرقل قریب تھا کہ ایمان لے آتا' اور بے شمار عیسائی جو عیسائیت چھوڑ کر اسلام لائے ان سے بھی خوب واقف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی رسالت کو بھی یہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں' مگر حسد کی بیماری انہیں گھن کی طرح چاٹ گئی ہے۔ بہرکیف دونوں مسیحوں میں معرکہ ٹھن چکا ہے۔ مسیح دجال پر یہودیوں کا ایمان ہے جسے وہ امن کا علم بردار کہتے ہیں اور اس کی آمد کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ اور یہودیوں کے جلو میں عیسائی بھی یہی ایمان رکھتے ہیں۔

یہاں ایک اور اشکال پیدا ہوتا ہے۔ آپ حضرات میں سے کوئی سوال کرنا چاہے کہ عیسائی تو عیسیٰ ابن مریمؑ کی آمد کا عقیدہ رکھتے ہیں' وہ کس لئے مسیح دجال کا انتظار کریں' جبکہ دونوں مسیحوں میں سخت عداوت ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہودی اپنے "مسیح" کو مسیح دجال نہیں کہتے' دجال کا اضافہ ہم مسلمان کرتے ہیں' دوسرا یہودیوں کے پیشوا اس الجھن کو خباثت اور چال بازی سے سلجھاتے رہے ہیں۔ اس کوشش میں عیسائی بھی برابر کے شریک کار ہیں۔ اس مشکل کا حل یہودیوں نے یہ تلاش کیا ہے کہ جہاں تک نزولِ مسیح کے عقیدہ کا تعلق ہے ہم دونوں تفصیلات میں الجھے بغیر اُس پر ایمانِ مجمل لاتے ہیں اور آئندہ کی سیاسی و عملی پالیسی اس عقیدہ کے تحت بناتے ہیں اور باقی امور نزولِ مسیح تک اٹھا رکھتے ہیں کہ نزولِ مسیح کے وقت دیکھا جائے گا' آیا یہودی اس پر ایمان لاتے ہوئے عیسائی مذہب اپناتے ہیں یا وہ یہودیوں کا مسیح ہوگا جو عیسائیوں کو ٹھکانے لگائے گا۔ ابھی تک یہ مسئلہ تعطل کا شکار ہے اور یہود و نصاریٰ اسے زیرِ بحث نہیں لاتے۔ عیسائی اختلافی عقائد کے باوجود یہودیوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔

اہل کتاب اور عہد شکنی کی تاریخ

موجودہ واقعات کو سمجھنے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ مسلم ممالک ٹھیک اس وقت

مغرب سے پینگیں بڑھا رہے ہیں جب مغرب پوری طرح سے دشمنی اور عداوت پر اتر آیا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے میں آپ کے سامنے ماضی قریب کی چند مثالیں لاتا ہوں۔ پہلی جنگ عظیم میں عربوں نے اتحادیوں کا ساتھ دیا اور انگریز کے جھنڈے تلے بیت المقدس کو فتح کیا اور جنرل ایلن بی نے جبل زیتون پر اپنا نیزہ گاڑتے ہوئے اعلان کیا کہ صلیبی جنگیں آج ختم ہوئی ہیں۔ درآں حالیکہ عرب اس کی فوج کا حصہ تھے اور جنگ کے اختتام پر سائکس پیکو معاہدہ ہوا جس سے عربوں کے تمام خواب چکنا چور ہو گئے۔ شریف حسین کو خلافت سونپنے کا وعدہ بھی وعدۂ فردا ثابت ہوا اور وہ شیرازہ منتشر ہوا کہ شام جو پہلے عثمانی خلافت کا ایک صوبہ تھا تقسیم ہو کر چار مستقل ملکوں میں بٹ گیا' یعنی اردن' لبنان' سوریا اور فلسطین۔ رہی سہی کسر اعلانِ بالفور (Balfour Declaration) نے نکال دی۔ ایک طرف عرب دوستی گانٹھنے میں انگریزوں سے مل کر برسرپیکار تھے اور دوسری طرف اعلانِ بالفور پر عملدرآمد ہو رہا تھا۔

دوسری دلیل جنگ عظیم دوم کی ہے جبکہ مسلمانوں کے بیشتر علاقوں پر یا تو برطانوی سامراج تھا یا فرانسیسی سامراج۔ جب جنگ کے لئے فوجیں بھرتی ہوئیں تو ہندوستان سے برطانیہ کے لئے جوان بھرتی ہوئے اور شمالی افریقہ کے اسلامی ممالک سے فرانس کے لئے بھرتی عمل میں لائی گئی۔ علمائے سُوء سے حکمرانوں نے مسلمانوں کے لئے فتویٰ حاصل کیا کہ جرمنی کے خلاف لڑنا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اور مصر میں جب برطانیہ اور جرمنی کے مابین شور جنگ چھڑی تو ہندوستان کے علمائے سُوء نے مصر پہنچ کر مسلمانوں کو جنگ میں شرکت کرنے پر اُبھارا اور اس جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ کا عنوان دیا۔ مصر کی سرزمین میں لڑی جانے والی اس جنگ کا انجام قیامِ اسرائیل کی صورت میں ظاہر ہوا اور اعلانِ بالفور کا بالفعل نفاذ عمل میں لایا گیا۔ پردہ پوشی کے لئے پہلی جنگ عظیم میں اتحادی عصبیت اور صدر ولسن (Wilson Woodrwo) کے مرتب کردہ نکات کو ہوا دی گئی اور دوسری جنگ عظیم میں اقوامِ متحدہ کے منشور اور حقوقِ انسانی کے خوشنما نعروں کا راگ الاپا گیا۔ جس سال حقوقِ انسانی کا ڈھنڈورا پیٹا گیا' ٹھیک اسی سال اسرائیل کا قیام عمل میں لایا گیا' تاکہ دُنیا پر یہ ثابت کیا جائے کہ حقوقِ انسانی سے کیا مراد ہے اور ان حقوق کا مستحق کون

ہے؟ تیسری دلیل حالیہ خلیج کی جنگ ہے۔ اور جو ڈراما اس جنگ میں رچایا گیا وہ آپ سب پر واضح ہے۔ ڈھاک کے وہی تین پات' عرب ابھی تک مغرب کے بہی خواہ ہیں اور ان کے خوشنما وعدوں پر آس لگائے بیٹھے ہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں' چند سالوں میں ہم بچشم سر دیکھیں گے کہ مغرب ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہے۔ جو کچھ ہو گا وہ پہلے سے مختلف نہ ہو گا۔ یہ تین دلیلیں ماضی قریب کی ہیں' پرانی تاریخ اس کے علاوہ ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

اب ہم اپنی گفتگو کا رُخ عیسائیوں پر مرکوز کرتے ہیں' کیونکہ فی زمانہ ہم ان کے کہے پر چل رہے ہیں' خواہ انہوں نے ہمیں ہر بار دھوکہ ہی کیوں نہ دیا۔ عیسائیوں کا ایک عقیدہ جان لیجئے! جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تو اس زمانے کے عیسائیوں نے دعویٰ کیا کہ عنقریب ایک سال بعد نزولِ مسیح ہو گا' پھر وہ دُنیا پر ایک ہزار سال حکمرانی کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ سن ایک ہزار عیسوی کے اختتام پر دُنیا کے بیشتر عیسائی نزولِ مسیح کے منتظر رہے۔ اب پھر عیسوی جنتری کے حساب سے دو ہزار سال مکمل ہونے والے ہیں اور مذکورہ بالا عقیدہ پھر سے منظرِعام پر آگیا ہے جس کی رو سے نزولِ مسیح مملکت اسرائیل یعنی فلسطین میں ہو گا جو اُن کا آبائی وطن ہے اور یہودیوں کا فلسطین میں آباد ہونا نزولِ مسیح کا پیش خیمہ ہے۔ اس عقیدہ کو عہدِ ہزار سالہ (Millenarian) کہتے ہیں۔ اس لئے چار دہائیاں پہلے عیسائیوں نے ارضِ فلسطین میں یہودی آبادکاری کی بنیاد رکھی نزولِ مسیح کی تمہید کے طور پر۔ یہودیوں سے پہلے عیسائیوں نے اسرائیل کی بنیاد ڈالی۔ یہ عقیدہ عیسائیوں کے بنیادی عقائد میں سے ہے جس پر وہ پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں جو پیش رفت ہو چکی ہے اس کا خلاصہ میں بیان کرتا ہوں۔

امریکہ میں ایک مشہور کتاب چھپی ہے جس میں مصنف نے پیشین گوئی کی ہے کہ دو ہزار عیسوی کے قریب دُنیا کی تہذیب اور اس کا تمدن تباہ ہو جائے گا۔ اور مصنف منصوبہ بندیوں کو ترک کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ امریکہ کو قرضوں کی واپسی کا تقاضا کرنے کی بھی ضرورت نہیں اور نہ امریکہ میں منگائی کا رونا پیٹنے کی ضرورت ہے۔ چند سالوں میں سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ ہرمجدون (Armageddon) کی عظیم ترین جنگ

چھڑنے والی ہے جو بُت پرستوں اور عیسائیوں کے درمیان ہوگی۔ جن دنوں خلیج کی جنگ ہو رہی تھی آپ نے ذرائع ابلاغ سے اس جنگ کا ذکر ضرور سنا ہوگا۔ اور امریکیوں کو باور کرایا گیا کہ خلیج کی جنگ ہی ہرمجدون[1] یا سہل مجدون ہے۔

سہل مجدون فلسطین میں ایک جگہ کا نام ہے۔ مصنف لکھتا ہے کہ اس فیصلہ کن معرکہ میں لڑنے والے فوجیوں کی کل تعداد چالیس کروڑ ہوگی۔ گو کہ اتنی بڑی تعداد میں فوجی ہونا ممکن نہیں، مگر عیسائی اسی طرح سمجھتے ہیں اور عنقریب یا دو ہزار عیسوی تک اس معرکہ کے بپا ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ایٹمی جنگ ہوگی جس میں نزولِ مسیح ہوگا اور ایمان والے ان کے ساتھ بادلوں سے اوپر چلے جائیں گے اور بت پرست مشرکوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ آپ حیران نہ ہوں، امریکہ میں بھی ایسی بحثیں ہوتی ہیں۔ عیسائی اس مقدس جنگ پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس اُن کے اِس عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے کئی دلائل ہیں۔

گیارہ سے زائد مرتبہ صدر ریگن نے اس عقیدہ پر اپنے ایمان کا اظہار کیا ہے۔ صدر ریگن کے علاوہ صدر بش اور دیگر سربراہان نے بھی اس عقیدہ پر اپنے ایمان کا اظہار کیا ہے۔ دانشور طبقہ ان کے علاوہ ہے۔ اور ظاہر ہے مذہبی حضرات کا اس عقیدہ پر ایمان تو ہونا ہی ہے۔ ان شخصیات میں معرکہ ہونے کے وقت میں اختلاف تو پایا جاتا ہے، لیکن خود معرکہ کے وقوع پذیر ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

آپ شاید اس بات کو نہ جانتے ہوں کہ عیسائی کنعانیوں یعنی مسلمانوں کو بت پرست کہتے ہیں اور انہی کا خاتمہ مقصود ہے، جبکہ مسیح کی مدد سے پوری دُنیا کے عیسائی سرفراز ہوں گے، یعنی شکاگو اور پیرس کی برہنہ طوائفیں شریف زادیاں کہلائیں گی۔ یہ جنگ کنعانیوں کے نیست و نابود ہونے پر ختم ہوگی اور مسلمان صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ یہ ہے وہ عقیدہ جس پر عیسائی کاربند ہیں۔

---

[1] عیسائی عقیدہ کی رو سے مستقبل میں ایک مقدس جنگ کا نام۔ حدیث میں ایسی لڑائیوں کو ملاحم کبریٰ کہا گیا ہے۔

امریکہ کے بنیاد پرست قائدین

صدر نکسن (Nixon) کو امریکہ کے فکری اور نظریاتی لوگوں میں سے ایک اہم شخصیت سمجھا جاتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب کا نام ہی "Victory without War" رکھا ہے، یعنی سال ۱۹۹۹ء تک امریکی پوری دُنیا کے حکمران ہوں گے اور یہ فتح انہیں بلا جنگ حاصل ہوگی، اور پھر امورِ مملکت مسیح سنبھال لیں گے۔ گویا مذکورہ سال تک موعود مسیح کے انتظامات مکمل ہو چکے ہوں گے اور امریکیوں کی ذمہ داری ان انتظامات کے مہیا کرنے تک ہے۔ اس کے بعد نظام مملکت مسیح چلائیں گے۔ مذکورہ کتاب ان دنوں منظرِعام پر آئی تھی جب روسی سابقہ صدر گورباچوف امریکی دَورے پر تھے، کیونکہ اسلام کے خلاف مغربی اور مشرقی دونوں بلاکوں کا اتفاق ہے۔ اس کتاب کے چند اقتباسات بطورِ نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

"روس اور امریکہ کو اسلامی بنیاد پرستی کے خلاف متفقہ معاہدہ کرنا چاہئے"۔ صدر نکسن اسلامی بنیاد پرستی کے خلاف تو گورباچوف اور ریگن کو متفقہ معاہدہ کا مشورہ دے رہے ہیں اور دوسری طرف انہیں بڑھتی ہوئی عیسائی بنیاد پرستی سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا جس کی تفصیل آگے چل کر آ رہی ہے۔ صدر نکسن آگے چل کر یہودیوں اور عربوں کے باہمی تعلقات میں خوشگوار تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

"عربوں اور یہودیوں کے درمیان پائی جانے والی عداوت میں کمی آئی ہے۔ اس تبدیلی کی نوعیت یہ ہے کہ ایک طرف بنیاد پرست مسلمانوں کا ٹولہ ہے اور دوسری طرف اسرائیل اور معتدل عرب ممالک ہیں"۔

مراد ہے کہ اسلامی بنیاد پرستی کے قلع قمع کے لئے اسرائیل کے ساتھ عرب ممالک بھی صف بستہ ہیں۔ اور آنے والے نئے معرکے میں ایک طرف امریکہ، اسرائیل اور معتدل عرب ہیں اور دوسری طرف مسلمان بنیاد پرست ہیں۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ :

"عالم اسلام میں مراکش سے انڈونیشیا تک نیا کمیونزم اسلامی بنیاد پرستی کی صورت میں ابھر رہا ہے جو تبدیلی بذریعہ خونی انقلاب لانا چاہتے ہیں"۔

مراد ہے کہ پہلے جس جنونیت اور انتہاپسندی کا اطلاق ہم روس پر کیا کرتے تھے اس

کا اطلاق مسلمانوں پر ہونا چاہئے۔ اب اس جنونیت کی وارث اُمت مسلمہ ہے' مراکش سے انڈونیشیا تک۔

کتاب کے اختتامیے پر نکسن جذباتی انداز میں لکھتا ہے :

"گزشتہ دو صدیوں میں امریکہ ایک مفلس اور کمزور ملک تھا' اور اس پورے عرصہ میں ہماری بقاء کا ضامن ہمارا عقیدہ تھا۔ اب جبکہ ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں اور اپنی تاریخ کی تیسری صدی کا آغاز کرنے والے ہیں ہمیں اپنے عقیدہ کا پھر سے جائزہ لینا ہے اور اس میں نئی روح اور امنگ پیدا کرنی ہے۔"

گویا خود نکسن بھی بنیاد پرستی پر ایمان رکھتا ہے' مگر بنیاد پرستی کی اصطلاح صرف مسلمانوں پر چسپاں ہو سکتی ہے' اس لئے صدر نکسن کو انتہا پسند نہ کہا جائے گا۔

عہد ہزار سالہ کا عیسائی عقیدہ امریکی سربراہان کے پیش نظر رہا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کتاب "البعد الدّینی" کا مؤلف لکھتا ہے کہ صدر جمی کارٹر نے اپنے اس عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی نوعیت صرف خاص ہی نہیں بلکہ یہ اپنی نوعیت کے منفرد تعلقات ہیں جس کی جڑیں ہمارے دلوں میں' ہمارے اخلاقیات میں اور ہمارے عوام کے اعتقادات میں ہیں۔ دونوں ممالک کے قیام میں اوائل مہاجرین کا ہاتھ ہے اور یہ انعام تورات کی پیشین گوئی کے مصداق ہے۔ کتاب کا مؤلف مزید لکھتا ہے کہ سات امریکی سابقہ سربراہان معرکہ ہرمجدون پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ عرب یہود تنازعہ کی نوعیت وہی ہے جو داؤد اور جالوت' جسے وہ گولتھ (Goliath) کہتے ہیں' کے مابین تھی۔ جالوت سے عرب مراد ہیں اور داؤد علیہ السلام سے یہودی۔ معاذ اللہ۔

صدر ریگن نے واضح لفظوں میں کہا کہ جنگ ہرمجدون کی ہلاکت انگیزی قریب ہے۔ اور جب کیتھولک فرقہ کے ایک امیدوار نے انتخابی مہم کے دوران صدر ریگن کو بدنام کرنے کے لئے یہ کہا کہ تم جیری فول ویل کے عقیدہ پر یقین رکھتے ہو' تو اس کے جواب میں ریگن نے زور دے کر کہا کہ دنیا فنا ہونے والی ہے۔

صدر ریگن نے اپنے اس عقیدہ کا اظہار گیارہ سے زائد مرتبہ کیا ہے' خواہ کیلیفورنیا کی گورنری کا زمانہ ہو خواہ امریکہ کی صدارت کا۔ اس عقیدہ کا ذکر انہوں نے اپنے گھر میں کیا' وائٹ ہاؤس میں کیا' عشائیے اور دوپہر کے کھانے میں کیا' عام لوگوں سے کیا' جن حضرات نے ٹیلی فون پر استفسار کرنا چاہا ان سے بھی یہی عقیدہ بیان کیا' مذہبی اور دیگر سیاسی قائدین کے درمیان یہ عقیدہ دہرایا' اپنے دفتری عملے سے اور یہاں تک کہ فاتر العقل لوگوں سے بھی یہی بات کہی' یعنی ہر مجدون اور عنقریب دُنیا کے فنا ہونے کا عقیدہ۔

صدر بش نے جیری فول ویل کی مدح سرائی میں کہا "میں پوری دیانتداری سے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ اگر جیری فول ویل جیسی شخصیات پیدا ہوتی رہیں تو ہمیں آئندہ یہودیوں کے قتل عام جیسی رسوائی پھر نہ دیکھنا پڑے گی"۔

جیری فول ویل عیسائی بنیاد پرستی کا بڑا قائد باور کیا جاتا ہے جو یہودیوں کے ارضِ مقدس میں لوٹنے اور موعود مسیح کا قائل ہے اور جارج بش کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک ہے۔ جارج بش اپنی کتاب (Looking Forward) میں لکھتا ہے کہ اس کا دادا ایک پادری تھا اور ان کا گھرانہ مذہبی تھا جس کے افراد خانہ ہر روز کتابِ مقدس کا مطالعہ کرتے تھے۔ چین میں انہیں اپنی سفارتی ذمہ داریوں کے دوران نوزائیدہ بچی کی پیدائش پر بپتسمہ دینے کے لئے کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا' کیونکہ چین میں کلیسا کم ہی ہوتا ہے۔ یہ مشکل صرف مذہبی لوگوں کو پیش آتی ہے' کیونکہ بپتسمہ کا جھنجھٹ صرف مذہبی لوگوں نے پال رکھا ہے۔ اس طرح کے اور واقعات بھی انہوں نے خود بیان کئے ہیں۔

عیسائی مذہب میں دیندار کہلانا ایسا نہیں ہے جیسا ہمارے ہاں دینداری سے سمجھا جاتا ہے۔ عیسائی مذہب کسی قاعدے ضابطے کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس مذہب میں کوئی ٹھوس اور جامع شریعت سرے سے ہے ہی نہیں۔ صرف چرچ جانے اور پادری کو راضی کرنے کی پابندی کا نام عیسائیت ہے۔ یہ بات دہرانے کے بعد کہ سات امریکی سربراہانِ مملکت تورات کی پیشین گوئیوں پر یقین رکھتے ہیں' میں اپنی گفتگو کا موضوع صیہونی تحریک کی طرف پھیرتا ہوں۔ صیہونی تحریک کی بنیاد کس طرح پڑی! صیہونی تحریک فلسطین پر اپنے حق

کی دعویدار کیوں بنی اور کیونکر لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے جو عہد باندھا تھا وہ یہودیوں کے حق میں ہے اور مسلمانوں کے حق میں نہیں! یہ وہ موضوعات ہیں جن پر مجھے گفتگو کرنا ہے۔

تاریخ کی کتب میں اس تحریک کا بانی یہودی نژاد تھیوڈور ہرتسل (Theodor Hertzel) کو باور کرایا جاتا ہے، مگر حقیقت کچھ اور ہے۔ دراصل یہودیوں کو متحد کرنے کی بنیاد عیسائیوں نے رکھی تھی، کیونکہ عیسائی تورات کی پیشین گوئیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس پیش رفت پر چار صدیاں گزر چکی ہیں۔ اگر ہمیں اس حقیقت کا ادراک نہ ہوا کہ صیہونی تحریک سے پہلے یہودیوں کو متحد کرنے والے عیسائی ہیں تو ہمیں مغرب کے موجودہ موقف کو سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے۔ خاص کر امریکہ کا اس سہ فریقی تنازعہ کے متعلق جو موقف رہا ہے اسے بھی اسی تناظر میں دیکھا جائے۔

صیہونی تحریک کے اصل بانی کو جاننے کے لئے ہمیں یہودیوں کی یورپ میں پرانی حیثیت جاننی ہوگی، کیونکہ اس تحریک کا اصل بانی مارٹن لوتھر (Martin Luther) ہے۔ یہودیوں پر انجیل اور قرآن دونوں میں لعنت کی گئی :

﴿ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرَاءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (المائدۃ : ۷۸)

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے۔"

یہودی عیسائیوں کے ہاں لعنتی سمجھتے جاتے ہیں، لیکن اس کا سبب قرآن میں مذکورہ آیات نہیں، بلکہ وہ عقیدہ ہے جس کی رو سے ان کے رب مسیح کو قتل کرنے والے یہودی تھے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔

کلیسا جس کا صدر مقام روم میں ہے، یہودیوں اور ان کی دعوت پر ایسی لعنت کرتا رہا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ کلیسا کی یہودیوں سے نفرت کا اندازہ آپ اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں کہ جب یورپ میں ایک بیماری وبائی شکل اختیار کر گئی جسے یورپی تاریخ میں

سیاہ طاعون یا کالی وباء (Bubonic Plague) سے موسوم کیا جاتا ہے' اس وباء سے لاکھوں باشندے ہلاک ہوئے' یہاں تک کہ شہروں کے شہر اور بستیوں کی بستیاں ویران ہو گئیں' جس پر پاپائے روم نے اپنے سرکاری بیان میں اس وباء کا سبب یہودی نامرادوں کو قرار دیا۔ بعد ازاں یہ فتویٰ یورپ کے بیشتر علاقوں میں زبان زدِ ہر خاص و عام ہوا' درآں حالیکہ خود یہودی اس وباء کا اسی طرح شکار ہوئے جس طرح عیسائی ہوئے' لیکن یہودیوں سے شدید نفرت کے اظہار کے طور پر ہر بری چیز کی نسبت یہودیوں سے کرنا ایک روایت بن گیا تھا اور کئی تنظیمیں محض معاشرے کو یہودیوں کے وجود سے پاک کرنے کے لئے وجود میں آئیں جن کی سرپرستی پاپائے روم کیا کرتا تھا اور اسی بناء پر برطانیہ اور جرمنی سے یہودی نکالے گئے۔ اسی طرح فرانس سے یہودیوں کو ملک بدر کیا گیا۔ جلاوطنی کی یہ رسم تیرھویں صدی سے شروع ہو کر پندرھویں صدی تک رہی۔ یہ تحریک Jewish Expulsion یا Spanish Inquisition کہلائی' جس سے عموماً یہودیوں سے پاک معاشرہ مراد لیا جاتا' کیونکہ عیسائی یہودیوں کی بابت یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ کی پیدا کردہ مخلوقات میں خبیث ترین اور شریر ترین مخلوق یہودی ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے۔

یہودیوں کی جلاوطنی (Diaspora) کے اس دور میں یہودیوں نے اولاً اسلامی اندلس میں پناہ لی جہاں جا کر انہیں چین نصیب ہوا' کیونکہ مسلمان یہودیوں کو اہل کتاب باور کرتے ہیں اور ذمیوں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ اس لئے اندلس میں یہودیوں کو کوئی گزند نہ پہنچی۔ لیکن جب اسلام کا دورِ قصۂ پارینہ ہوا اور اندلس عیسائیوں کی عمل داری میں آیا اور اسلامی میڈرڈ عیسائیوں کے تسلط میں چلا گیا تو ایک مرتبہ پھر یہودیوں کے لئے جلاوطنی کا دور آ گیا۔ انہیں سخت تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اگرچہ عیسائیوں نے مسلمانوں پر بھی ظلم کے پہاڑ توڑے لیکن ہماری گفتگو کا موضوع چونکہ یہودی ہیں اس لئے اسلامی اندلس اور مسلمانوں پر کیا بیتی؟ زیر بحث نہ آئے گا۔

امریکہ ایک مذہبی ریاست

ظلم و جبر کے مارے یہودیوں کے لئے یورپ کے دور دراز علاقوں میں پناہ لینے

علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب قدرتِ خداوندی سے نئی دنیا امریکہ دریافت ہوئی اور یہودیوں کے لئے امریکہ جانے کا موقع نکل آیا۔ دوسری طرف پروٹسٹنٹ فرقے اور کیتھولک فرقے بھی آپس میں دست و گریباں تھے جس کی بناء پر پروٹسٹنٹ فرقے کے حامی بے شمار عیسائیوں نے بھی امریکہ کی جانب ہجرت اختیار کی اور آج تک یہی فرقہ امریکہ میں غالب چلا آرہا ہے۔

یہاں پر پروٹسٹنٹ فرقے کے عقائد بھی جان لیجئے۔ اس فرقہ نے سب سے پہلے پوپ کو نشانہ تنقید بنایا اور ان سے مناظرے کئے۔ یہ فرقہ اللہ اور بندے کے درمیان پادری کے وسیلہ کو نہیں مانتا۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر شخص کو کتابِ مقدس پڑھنے کا حق حاصل ہے اور ضرور پڑھنی چاہئے اور کتابِ مقدس پر بلاواسطہ ایمان لانا چاہئے۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کے عقائد میں یہ تبدیلی دراصل صلیبی جنگوں کی وجہ سے آئی تھی جس کے دوران انہوں نے دیکھا کہ مسلمان بغیر کسی وسیلے واسطے کے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کی تحریک سے یورپ میں مذہبی رجحانات کے اندر ایک نئی رو چلی اور لوگ براہِ راست تورات سے رجوع کرنے لگے اور مارٹن لوتھر نے، جو دراصل اس تحریک کا بانی تھا، کتابِ مقدس کا ترجمہ انگریزی اور جرمنی زبان میں کر ڈالا، اور یہی وجہ ہے کہ یہ فرقہ جرمنی اور برطانیہ میں خوب پھیلا۔ اس تحریک کی وجہ سے عیسائی کتابِ مقدس کی حرفیت پر ایمان لائے اور تورات کی عصمت کے قائل ہوئے اور اسے وحی تسلیم کیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آئی ہے۔ تورات سے براہِ راست رجوع کرنے کے نتیجے میں انہیں ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کے ساتھ باندھے گئے عہد کے متعلق علم ہوا جس کا خلاصہ میں گزشتہ گفتگو میں بیان کر چکا ہوں۔

پروٹسٹنٹ تحریک کے اثر سے ہی عیسائی اس بات کے قائل ہوئے کہ فلسطین یہودیوں کی سرزمین ہے۔ اور اس وقت سے عیسائی یہودی باہمی تعلقات سدھرنے لگے۔ یہودیوں کی طرح پروٹسٹنٹ فرقے نے بھی امریکہ کی طرف ہجرت کی، کیونکہ اس فرقہ کے حامی کیتھولک فرقے کے ستائے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے اپنی اس ہجرت کو بنی اسرائیل کی ہجرت سے تشبیہہ دی اور کہا کہ جیسے بنی اسرائیل ارضِ مقدس میں وارد

ہوئے تھے ویسے ہم امریکہ میں وارد ہوئے ہیں۔ انہوں نے شہروں کے نام انہی ناموں پر رکھے جن کا ذکر تورات میں آیا۔ یہ امریکی اپنے آپ کو تورات کی تعلیمات پر مانتے ہیں اور سرزمین امریکہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت مانتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض امریکی بنیاد پرست فلسطین کے بجائے امریکہ کو ارضِ موعود سمجھتے ہیں۔

امریکی معاشرے کی اٹھان پروٹسٹنٹ افکار پر ہوئی جن میں نہ کلیسا کی کوئی اہمیت ہے اور نہ پادری کا فیصلہ مانا جاتا ہے۔ یہ فرقہ مذکورہ بالا عہد پر پختہ ایمان رکھتا ہے۔

جس زمانے میں ـــــ خصوصاً گزشتہ صدی میں ـــــ امریکہ اور برطانیہ میں پروٹسٹنٹ تحریک فروغ پا رہی تھی اس زمانہ میں صیہونی تحریک کی فکری بنیادوں کا آغاز ہوا' جس کے کچھ عرصہ بعد صیہونی تحریک کی بنیاد پڑ گئی ہے' جسے تھیوڈور ہرتسل کی صیہونی تحریک سے امتیاز رکھنے کے لئے صیہونی نصرانی تحریک کا نام دیا گیا۔ بر سبیل مثال ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت میں برطانیہ میں "دریافت فلسطین" کے لئے ایک فنڈ قائم کیا گیا جس کا نگران کنٹربری (Canterbury) کے لاٹ پادری کو مقرر کیا گیا۔ وہ برطانیہ کا بشپ اعظم تھا جسے تورات میں مذکورہ ارضِ موعود اور اس کی حدود کی تلاش کا کام سونپا گیا۔ اس کے بعد بالفور نمودار ہوا (مشہور زمانہ اعلانِ بالفور کا بانی)۔ بالفور کی بھانجی نے اس کی سوانح حیات مرتب کی ہے جس میں وہ لکھتی ہے کہ بالفور تورات پر پختہ ایمان رکھتا تھا' وہ اس کی تلاوت سے رطب اللسان رہتا اور تورات کی حرف بحرف تصدیق کیا کرتا۔ اور اعلان بالفور دراصل اس کے پختہ ایمان کا ثمرہ ہے۔ اعلان بالفور کے وقت برطانیہ کا وزیر اعظم جارج لویس (George Louis) تھا جس نے اپنے متعلق صراحت سے کہا کہ وہ صیہونی ہے اور تورات میں یہودیوں کی ارضِ مقدس میں یقینی دروس کے متعلق جو ذکر آیا ہے اس پر پختہ ایمان رکھتا ہے۔ اور ارضِ مقدس میں یہودیوں کی واپسی نزولِ مسیح کا پیش خیمہ ہے۔

ادھر امریکہ میں بھی اس زمانے میں یہی صورتحال تھی۔ صدر ولسن (Wilson) نے یہودیوں کے مطالبے کی پرزور حمایت کی۔ بلکہ صدر ولسن کی حمایت سے پہلے بلیک اسٹون نے فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کا مطالبہ کیا۔ بلیک اسٹون اسرائیل کی

پسندیدہ شخصیات میں سے تھا جو کوئی متشدد صیہونی نہیں بلکہ امریکہ کا ایک کٹر عیسائی تھا' لیکن اس کے باوجود اس نے ارضِ مقدس میں یہودیوں کی آباد کاری کے لئے پر زور مہم چلائی۔ یہ واقعہ صدر ولسن کا صدارتی عہدہ سنبھالنے سے پہلے کا ہے' بلکہ اس وقت تک خود صیہونی تحریک کی بنیاد نہ پڑی تھی' کیونکہ بلیک اسٹون کی تاریخ پیدائش ۱۸۴۱ء ہے۔ بلیک اسٹون "Jesus is Coming" نامی کتاب کا مؤلف ہے جو انیسویں صدی میں اشاعت کے ریکارڈ توڑنے والی چند کتابوں میں نمایاں کتاب تھی۔ اس کتاب کے لگ بھگ دس لاکھ سے زائد نسخے فروخت ہوئے اور اڑتالیس سے زائد زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ ہوا' جس میں سے ایک ترجمہ عبرانی زبان میں بھی تھا۔ صیہونی تحریک سے پہلے قیامِ اسرائیل کا مطالبہ کرنے والے عیسائی تھے نہ کہ یہودی۔ بلیک اسٹون اپنی کتاب میں لکھتا ہے : "فلسطین میں یہودی مملکت کے قیام کے سلسلہ میں صیہونی تحریک کامیاب ہو یا نہ ہو' تورات کی رو سے صیہونی مملکت نے بننا ہی ہے"

بعد ازاں بلیک اسٹون نے اپنے رفقاء کی مدد سے ایک یادداشت مرتب کی اور ۴۱۳ سے زائد اہم امریکی شخصیات سے اس یادداشت کی حمایت میں دستخط لینے میں کامیاب ہوا جن میں منتخب ارکانِ اسمبلی' جج' وکیل اور دوسری امتیازی حیثیت کی حامل شخصیات شامل تھیں۔ یادداشت کو امریکی صدر بنجمن ہیریسن کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ یادداشت میں اسرائیلی مطالبات کو تسلیم کرنے کی سفارش کی گئی تھی اور یہودیوں کو ارضِ فلسطین میں بسانے کے لئے امریکی صدر سے اپنا بھرپور تعاون اور اثر و رسوخ استعمال کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ مذکورہ یادداشت ۱۹۱۹ء میں مرتب کی گئی۔

بنجمن کے بعد صدر ولسن کا دور آیا۔ اس زمانہ میں پہلی جنگ عظیم چھڑی ہوئی تھی' عرب اتحادیوں کے حمایتی بنے ہوئے تھے۔ اس زمانے میں صدر ولسن نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ "خادمِ کلیسا (یعنی ولسن) پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ارضِ مقدس اس کے صحیح مستحقین (یہودیوں) کو واپس دلانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے"۔

یہودیوں کی ایک کتاب میں صدر ولسن کی تعریف میں لکھا ہے "صدر ولسن نے یہودی مفادات کے لئے دور رس اقدامات کئے۔ صیہونی نصرانی فکر سے ان کے لگاؤ کی یہ

حالت تھی کہ وہ سیاسی اور اخلاقی نتائج کو بالائے طاق رکھ دیا کرتے تھے۔"

آپ کو تعجب ہو گا کہ مہذب دنیا کا صدر یعنی ولسن دنیا میں یہودیوں کی کل آبادی دس کروڑ سمجھتا تھا۔ یہ واقعہ ایک مؤرخ نے تحریر کیا ہے۔ درآں حالیکہ اس وقت یہودیوں کی کل آبادی ایک کروڑ دس لاکھ تھی۔ غور فرمائیں کس قدر عیاری سے امریکی صدر کے ذہن میں غلط اعداد و شمار بٹھائے گئے۔

ایک اور شخصیت کا بیان نقل کئے بغیر بات ادھوری رہے گی۔ اس کا شمار امریکہ کی چند سربرآوردہ شخصیات میں ہوتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد وہ کانگریس کی خارجہ کمیٹی کا چیئرمین بھی رہ چکا ہے۔ ۱۹۲۲ء میں بوسٹن کے اندر اپنی ایک تقریر میں یہودیوں کو ایک تجویز دیتے ہوئے کہا "یہ عمل نہایت قابل ستائش ہو گا کہ پوری دنیا کے واپسی کے خواہش مند قوم پرست یہودی اپنے آبائی وطن میں قومی مملکت تشکیل دیں' وہ آبائی وطن جس میں وہ ہزاروں سال پلے بڑھے۔ اور یہ بات مجھے سخت ناگوار ہے کہ قدس یعنی یروشلم اور فلسطین کے علاقے محمدیوں کی عملداری میں چلے جائیں۔

تاریخ کا عام طالب علم بھی اس دروغ گوئی کو بھانپ سکتا ہے جو موصوف نے یہودیوں کی بابت کہی ہے' کیونکہ ارض فلسطین میں یہودیوں کا قیام معدودے چند سو سال سے زائد نہ تھا۔

اپنے اختتامی کلمات میں اس نے کہا "میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ قدس اور فلسطین میں محمدیوں کا قبضہ ہو"۔

یہ الفاظ کانگریس کی خارجہ کمیٹی کے چیئرمین کے ہیں اور یہ بات ۱۹۲۲ء کی ہے' یعنی اسرائیل بننے سے ۲۶ سال پہلے۔ وہ بار بار اپنی نفرت کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "مجھے ہرگز گوارا نہیں کہ قدس پر محمدیوں کی حکومت ہو"۔ آپ کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اس آگ کو بھڑکانے والے یہودیوں سے پہلے عیسائی تھے۔ فلسطین میں قیام اسرائیل کی ضرورت پر عیسائی پہلے ایمان لائے تھے' جبکہ یہودی بعد میں۔

(جاری ہے)

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کے
عہدیداروں کا سالانہ انتخاب

برائے سال ۲۰۰۱ ۔ ۲۰۰۰ء

(مرتب : ڈاکٹر عبدالخالق ' ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان)

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کے دستور کے مطابق عہدیداروں کا انتخاب ایک سال کے لئے ہوتا ہے۔ محاذ میں شامل چار جماعتوں کے تین تین نمائندوں پر مشتمل مرکزی شوریٰ کے اراکین خفیہ رائے دہی سے عہدیداروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس طریقہ سے تین عہدیدار منتخب کئے جاتے ہیں' یعنی صدر' نائب صدر اور ناظم مالیات۔ معتمد اور ناظم نشرو اشاعت کا تقرر صدر محاذ شوریٰ کے مشورے سے کرتے ہیں۔

مئی ۹۹ء میں متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی تشکیل ہوئی تھی اور ۶ جون کو شوریٰ کے پہلے اجلاس میں عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ ایک سال مکمل ہونے پر ۵ جون ۲۰۰۰ء کو مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں سال ۲۰۰۱۔۲۰۰۰ء کے لئے عہدیداروں کا انتخاب ہوا۔ گزشتہ سال صدر محاذ کے طور پر تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا انتخاب عمل میں آیا تھا' چنانچہ تنظیم اسلامی کے اراکین شوریٰ برائے متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کے مابین یہ طے ہوا کہ اب صدر محاذ کے لئے محاذ میں شامل کسی اور دوسری جماعت کے سربراہ کو ووٹ دیا جائے۔

شوریٰ کے اجلاس میں سب سے پہلے صدر محاذ کا انتخاب عمل میں آیا اور کل ۱۲ اراکین شوریٰ میں سے ۹ اراکین نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حق میں ووٹ دیا۔ گویا سوائے تنظیم اسلامی کے دیگر جماعتوں کے تمام اراکین نے ڈاکٹر صاحب کو ووٹ دیا۔ اس انتخاب پر امیر تنظیم اسلامی نے شوریٰ کے اراکین سے درخواست کی کہ آپ صدر محاذ کے طور پر کسی دوسرے فعال شخص کا انتخاب فرمائیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے

فرمایا کہ میں کسی تکلف سے کام نہیں لے رہا' گزشتہ سال جب آپ نے صدر محاذ کے طور پر مجھے منتخب کیا تو میں نے کسی پس و پیش کے بغیر اس ذمہ داری کو قبول کر لیا تھا' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ گزشتہ سال کے دوران میں محاذ کو متحرک نہیں کر سکا اور اس لحاظ سے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کرتا ہوں۔ ثانیاً محاذ کی اب تک کی کارکردگی اور دیگر جماعتوں کی عدم دلچسپی کے باعث محاذ کے حوالے سے مجھ پر مایوسی کی سی کیفیت ہے' اور ظاہر ہے کہ ایک مایوس شخص محاذ کو کیسے متحرک کر سکے گا۔ چنانچہ ایک تو آپ صدر محاذ کے طور پر کسی نسبتاً متحرک شخصیت کا انتخاب کریں' دوسرا یہ بھی ہے کہ ایسا تاثر سامنے نہیں آنا چاہئے کہ محاذ پر تنظیم اسلامی کی اجارہ داری ہے' درآنحالیکہ محاذ کی تشکیل کے ضمن میں کوشش کرتے ہوئے تنظیم اسلامی نے یہ طے کیا تھا کہ وہ کوئی عہدہ قبول نہیں کرے گی۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ان گزارشات کو اراکین شوریٰ نے سنا تو سہی لیکن قبول نہیں کیا۔ چنانچہ بقیہ تینوں جماعتوں کے اکابرین نے اس بات پر اصرار کیا کہ ڈاکٹر صاحب محاذ کا صدر بننا قبول کر لیں اور اراکین شوریٰ کے انتخاب کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے ذاتی احساسات کی قربانی دیں اور اجتماعی فیصلے کو قبول کر لیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ محاذ کی عمر فقط ایک سال ہوئی ہے' ابھی سے اس کی کارکردگی پر مایوسی مناسب نہیں ہے۔ اراکین شوریٰ میں سے کچھ حضرات نے ڈاکٹر صاحب کے لئے تحسین کے الفاظ بھی استعمال کئے جن کا تنظیم اسلامی کی جانب سے ذکر مناسب نہیں۔

صدر محاذ کے انتخاب کے بعد نائب صدر کا انتخاب ہوا۔ تحریک اسلامی کے امیر مولانا مختار گل صاحب کو نائب صدر منتخب کر لیا گیا اور ناظم بیت المال مرکزی جمعیت اہلحدیث کے جناب مولانا مبشر احمد مدنی (اس عہدے کے سابقہ ذمہ دار) دوبارہ منتخب ہو گئے۔ صدر محاذ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے تحریک اسلامی کے جناب جلیل خان صاحب کو معتمد محاذ مقرر فرمایا اور ناظم نشر و اشاعت مرکزی جمعیت اہل حدیث کے جناب ریاض احمد فیضی مقرر ہوئے۔

اس اجلاس شوریٰ میں مندرجہ ذیل فیصلے بھی کئے گئے :

طے کیا گیا کہ محاذ کو متحرک کرنے کے لئے اس میں شامل ہر جماعت اپنی سطح پر ایک

ایسے جلسۂ عام کا اہتمام کرے جس کے انتظامی معاملات کی ذمہ دار تو متعلقہ جماعت ہو لیکن اسے محاذ کا جلسہ تصور کیا جائے اور اس میں چاروں جماعتوں کے اکابرین خطاب فرمائیں۔

دیگر جماعتوں کو محاذ میں شمولیت کی دعوت کے لئے وفود تشکیل دئے جائیں۔ ہر وفد میں کم از کم دو جماعتوں کے نمائندے ضرور شریک ہوں۔

یہ بھی طے کیا گیا کہ شوریٰ کے فیصلوں پر عملدرآمد کا جائزہ لینے نیز محاذ کی کارکردگی کو مؤثر بنانے کے لئے ایک مجلس عاملہ تشکیل دی جائے جس کا اجلاس ہر ماہ ہو۔ اس عاملہ میں پانچ عہدیداروں کے علاوہ تنظیم الاخوان کے جناب کرنل (ر) عبدالقیوم صاحب کو شامل کیا گیا ـــــ شوریٰ کے اجلاس کے بارے میں طے ہوا کہ اس کا اجلاس ہر تین ماہ بعد لازماً ہوا کرے گا۔

دعائے خیر پر یہ اجلاس اختتام پزیر ہوا۔

خلافت کی اصل حقیقت اور اس کا تاریخی پس منظر
اور عہد حاضر میں اس کے دستوری و قانونی اور معاشی و معاشرتی ڈھانچے اور اس کے
قیام کے لئے سیرت نبویؐ سے ماخوذ طریق کار کی تشریح پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد

داعی تحریک خلافت پاکستان
کے چار جامع خطبات کا مجموعہ' بعنوان :

خطبات خلافت

شائع کردہ : مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ کی تالیف

ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک
تنزل اور اِرتقاء کے مراحل

شائع ہو گئی ہے

—— جس میں ——

* حیاتِ ارضی کا ارتقاء * تکمیل تخلیق آدم
* عطاءِ خلعتِ خلافت * رحم مادر میں تخلیق آدم کے مراحل کا اعادہ

جیسے بہت سے اہم موضوعات پر قرآن و سنت کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں ڈارون تھیوری کے باعث ذہنوں میں اٹھنے والے بہت سے سوالوں کے بھی تسلی بخش جوابات دیئے گئے ہیں۔ لٰہذا آج ہی اس نادر کتاب کی کاپی محفوظ کرائیے۔

قیمت : 20 روپے ○ عمدہ طباعت ○ صفحات : 60

—— ملنے کا پتہ ——

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی '36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 3-5869501 فیکس : 5834000